بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تحفۂ سالکین وطالبین

دل چسپ حکایتوں، سبق آموز نصیحتوں اور انمول ہدایتوں کا بیش قیمت ذخیرہ جو طالبین وسالکین کی زندگی میں نمایاں تبدیلی لاتا ہے

افادات

شیخ مصلح الدین سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ

تلخیص، ترجمہ وتشریح

مولانا محمد عبد القوی

ناظم ادارہ اشرف العلوم ٹرسٹ حیدرآباد

سلسلۂ مطبوعات
۴۲
برکات بلا پور

ناشر

مدرسہ سیدنا ابوبکر صدیقؓ

جلال شاہی چوک، اوسہ، ضلع لاتور، مہاراشٹرا

تفصیلاتِ طباعت

نام کتاب : تحفۂ سالکین وطالبین

مصنف : شیخ مصلح الدین سعدی شرازی ؒ

مرتب وشارح : مولانا محمد عبدالقوی عفرلہٗ

موضوع : اصلاح افکار واخلاق

کمپوزنگ : حافظ عبداللہ عفان سلمہٗ

طباعت : البلاغ گرافکس،

قیمت : Rs.75/-

ناشر : مدرسہ سیدنا ابوبکر صدیق ؓ اوسہ ضلع لاتور (مہارشٹرا)

ملنے کے پتے

- برکات بکڈپو، خواجہ باغ، سعید آباد، حیدرآباد 9848623931
- مکتبہ کلیمیہ، روبرو درگاہِ یوسفین، نامپلی، حیدرآباد 9885655591
- ادارہ تعلیم الاسلام، کھمم، تلنگانہ اسٹیٹ 9030906019
- ادارہ خیر المدارس، چودھری نگر، ضلع لاتور مہارشٹرا 09421956690
- مدرسہ سیدنا ابوبکر صدیق ؓ، اوسہ، لاتور، مہارشٹرا 09890742012

بسم اللہ تعالیٰ

وہ جو ترجمے کا سبب ہوا

علم وفن کے افق پر جو اسلامی شخصیات ستارے بن کر صدیوں سے جگمگا رہی ہیں اور وقت کے گذرنے کے ساتھ ان کی قدر و قیمت گھٹنے کے بجائے بڑھتی ہی جا رہی ہے ان میں "سعدی شیرازی" کی شخصیت بھی شامل ہے؛ چھٹی صدی کے ربع آخر میں پیدا ہو کر ساتویں صدی کی آخری دہائی میں دنیا سے رختِ سفر باندھنے والے اس اولوالعزم و حوصلہ مند عالم دین کا نام شرف الدین، لقب مصلح الدین، تخلص سعدی، اور وطن شیراز ہے؛ شیخ رحمہ اللہ نے گھرانہ دین وصلاح سے آراستہ پایا، اسی لئے بچپن ہی سے علم وعمل، زہد وورع اور غیرت وشجاعت کا پیکر رہے؛ ان کے علم وحکمت کا معیار جاننے کے لئے یہی کیا کم ہے کہ وہ ابوالفرج عبدالرحمن ابن الجوزی رحمہ اللہ جیسی علمی شخصیت اور شیخ فریدالدین عطار رحمہ اللہ جیسے امام تصوف وطریقت کی صحبت اور استفادے کا شرف رکھتے ہیں؛ کہتے ہیں کہ شیخ نے اپنی عمر کا ایک چوتھائی حصہ تحصیل علم وفن میں، ایک چوتھائی سیر وسیاحت کے ذریعہ مشاہدۂ عالم میں، ایک چوتھائی ان علوم وتجربات کی تالیف وتصنیف میں اور ایک چوتھائی عزلت وخلوت کے ذریعہ یادِ الٰہی وسیرِ ملکوت میں صرف کیا تھا؛ ظاہر ہے کہ اتنی لمبی عمر اور ایسی زبردست ہمت اور اسباب و وسائل ہر کسی کو میسر نہیں آتے قسمت والوں ہی کا نصیبہ ہوتے ہیں؛ ذٰلِكَ فَضْلُ اللهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَآءُ

شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیفات میں اہل علم کے درمیان جو کتابیں مقبول عام ہوئیں اور ہندوستان میں تو درس نظامی کے معروف ومقبول نصاب کا جز بن کر اب تک مدرسوں میں پڑھی پڑھائی جا رہی ہیں وہ "کریما" اور "گلستان" ہیں؛ اس عاجز نے جب درسیات کی

ابتدا کی تب ہی سے فارسی زبان سے دلچسپی رہی، خاندان اور وطن میں اردو کا معیار اچھا ہونے کی وجہ سے فارسی کچھ مشکل زبان محسوس نہیں ہوتی تھی، پھر پڑھی بھی حضرت الاستاذ مولانا قاری امیر حسن صاحبؒ جیسے ماہر ومتقی استاذ سے، البتہ گلستان میں نے اشرف المدارس ہردوئی میں حضرت مولانا قمر الدین صاحب اعظمیؒ اور حضرت مولانا افضال الرحمٰن قاسمی مدظلہٗ سے پڑھی تھی؛ گلستان کی ادبی وفنی حیثیت کا کسی قدر اندازہ تو بہت عرصہ بعد اس کو پڑھانے کے زمانے میں ہوا؛ البتہ اس کی حکایتوں، تمثیلوں اور پر مغز نصیحتوں سے دلچسپی طالب علمی کے دور ہی سے رہی۔

عرصے سے جی چاہتا تھا کہ اس کتاب کی حکمت وموعظت سے بھرپور اور پند و نصائح سے معمور حکایات اور ان سے اخذ ہونے والے اسباق وعبر سے عوام الناس بالخصوص سالکین راہِ طریقت کو بھی نفع پہونچنا چاہئے، اب تک طلبہ اور علماء ہی ان سے استفادہ کررہے ہیں؛ لیکن عوام الناس کے استفادے کے لئے یہ ضروری ہوتا ہے کہ اس قسم کے مضامین عام فہم انداز کے ہوں، ظاہر ہے کہ یہ فائدہ درسی قسم کی شروحات سے حاصل نہیں ہوسکتا تھا، اس کے لئے کسی ایسے ترجمے کی ضرورت تھی جو بغیر کسی رسمی پابندی کے بس نفسِ حکایت اور اس سے موصولہ پند وموعظت کی نشاندہی کردے، تاکہ پڑھنے والا سبق لے اور تہذیب وادب کے درست ہونے میں مددگار ہو۔

جی کی یہ چاہت جی ہی میں رہی، اپنے کو نہ کبھی اس کا اہل سمجھا نہ کبھی یہ کام خود ہی کرنے کا ارادہ ہوا، مگر قدرت کی کاری گری اور تقدیر کی نیرنگی سامنے آنے کے بعد پتہ چلا کہ عرصے سے پرورش پاتی یہ چاہت اس عاجز ہی کے ہاتھوں پوری ہونی ہے، ہوا یہ کہ ۲۳ ؍مارچ ۲۰۱۴ء کو جب کہ یہ عاجز دیوبند میں رابطۂ مدارس کی میٹنگ میں شریک ہونے کے لئے دہلی پہونچا تو گجرات کرائم برانچ کی پولس مجھے ایرپورٹ سے اچانک گرفتار کرکے احمد آباد لے

آئی ؛اور ملک وقوم دشمنی میں شرکت اور جہادی تنظیموں سے رابطے کا جھوٹا الزام تھوپ کر دو ہفتے اپنی حراست میں رکھا، پھر ۱۷اپریل ۲۰۱۴ء کو عدالت کے ذریعے سابرمتی جیل روانہ کر دیا؛ یہاں پہونچ کر ایک دو دن ذہنی وجسمانی طور پر سنبھلنے میں نکل گئے، بعدازاں اپنی دینی مصروفیات سے علاحدگی ومحرومی کا احساس ستانے لگا، نہ کوئی ہم مزاج و ہم خیال تھا نہ کوئی علم وادب کا قدرداں! صبح سے شام تک تنہائی وگوشہ نشینی تھی، قرب وجوار کے حجرات سے بدکلامی ویاوہ گوئی کی آوازیں کان میں پڑتی رہتی تھیں، اسی دوران اتفاق سے پڑوسی بیرک سے کسی صاحب نے ایک کتاب لا کر دی، کھول کر دیکھا تو وہ گلستانِ سعدی تھی، معلوم ہوا کہ یہ کتاب کسی سابقہ مولوی قیدی کے پاس تھی وہ چھوڑ گئے تھے، تنہائی کے اسی واحد مونس کو قدر کے ہاتھوں لے کر اسی کے مطالعے سے جی اس وقت تک بہلاتا رہا جب تک کہ تعلقات کے اضافے سے بعض اور کتابوں کے مہیا ہونے کے اسباب بن گئے۔

ایک دن خیال آیا کہ گلستان سے عوام الناس کو نفع پہونچانے کی تمنا پوری کرنے کا شاید اس سے اچھا موقع نہ مل سکے، اور شاید بے کاری کے عذاب الیم سے نجات کی بھی اس سے بہتر صورت نہ نکل سکے، اس لئے کیوں نہ اپنے کے منشاء کے مطابق اس کے ترجمے کا کام کرلیا جائے، مگر اس پر عمل اس لئے مشکل تھا کہ کاغذ وقلم جیل میں داخل ہونے سے قبل ہی ضبط ہوچکے تھے، چند دن کے بعد بفضلہٖ تعالیٰ اس کا بھی نظم ہوگیا اور کوئی پندرہ دن میں ترجمے کا یہ کام مکمل کرلیا گیا، مزید پندرہ دن میں نظر ثانی اور تبییض بھی ہوگئی، فللّٰہ الحمد فی الاولی والآخرہ۔

چند دن قبل ہی امام ذہبیؒ کی کتاب الکبائر میں منقول عبرت وموعظت کے واقعات "حکایاتِ ذہبیؒ" کے نام سے عام فہم انداز میں جمع کرکے شائع کرچکا ہوں اسی لئے جی چاہا کہ اس رسالے کا نام "حکایاتِ سعدیؒ" رکھدوں، مگر چوں کہ یہ محض قصے اور حکایات نہیں ہیں

بلکہ تہذیب واخلاق کوجلا بخشنے والی بہت سی حکمتیں ونصیحتیں اپنے ساتھ لئے ہوئے ہیں اس لئے رسالے کا نام ''تحفۂ سالکین وطالبین'' رکھنا مناسب معلوم ہوا، چناں چہ اسی نام سے موسوم کردیا ہوں۔

اہل علم سے وضاحت کردوں کہ یہ نہ تو پوری کتاب کا لفظ بہ لفظ ترجمہ ہے نہ تمام عبارات وتعبیرات کا احاطہ اس میں کیا گیا ہے، اس میں صرف جیسا کہ پہلے بھی عرض کرچکا ہوں عامۂ مسلمین بالخصوص سالکین کو اخلاق وآداب کی تہذیب میں شیخ کی کتاب سے مستفید ہوسکنے کی صورت نکالی گئی ہے، اوراس کی ترتیب میں نے یہ رکھی کہ پہلے حکایت سیدھے سادے انداز میں بیان کردیاں ہوں، پھروہ نتائج ونصائح جو شیخؒ نے بہ شکل اشعار دورانِ حکایت یا اختتام پر بیان کئے ہیں اسے ایک ساتھ جوڑ کر نقل کردیا ہوں، اس کے بعد اس عاجز نے ان نصائح کی مزید وضاحت اپنی طرف سے کردی ہے؛ ایک ہی نتیجہ نکالنے والی متعدد حکایات میں سے کسی ایک کو لے کر بقیہ کو حذف کردیا، تاکہ طبیعت اکتائے نہیں، اور بعض واقعات کو عوام کے مناسب نہ ہونے کی وجہ سے ترک بھی کردیا ہے۔

کتاب کا آٹھواں باب جو شیخ کی مجرّب ومعتبر نصائح وحِکم پر مشتمل ہے اس کا بھی عام فہم اورآسان ترجمہ کردیا گیا ہے، یہ حصہ بھی بہت ہی کارآمد ومفید ہے، خدا کرے کہ اپنی شامتِ اعمال کی وجہ سے چند دن کے لئے خدماتِ دینیہ سے روک دئے جانے کے دوران بطور استغفار کی گئی اس مختصر سی خدمت کو شرف قبول حاصل ہو، اورامت مسلمہ کے نفع کا سبب بنے۔ آمین

محمد عبدالقوی غفرلہٗ

۲۶/اپریل ۲۰۱۴ء شب یکشنبہ

(فی اسارۃ الحرس السابرمتی)

(۱)

کسی سے بدگمانی نہیں کرنا چاہئے

ایک بزرگ سے ایک ایسے صوفی کے بارے میں ــــ جسے عام طور پر لوگ اچھا آدمی نہیں سمجھتے تھے ــــ دریافت کیا گیا کہ آپ کی کیا رائے ہے؟ انہوں نے جواب دیتے ہوئے فرمایا "جہاں تک اس صوفی کے ظاہر کا تعلق ہے تو اس میں مجھے کوئی عیب نظر نہیں آتا، اور جہاں تک اس کے باطن کے حال کا معاملہ ہے تو میں غیب نہیں جانتا"

شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

جب کسی شخص کو بظاہر نیک دیکھو تو نیک ہی سمجھو، اس لئے کہ تم کسی کے باطن یعنی اندرونی حالات و معاملات کو معلوم کرنے کے ذمہ دار نہیں ہو، جیسا کہ محتسب (یعنی اصلاح معاشرہ کے سرکاری ذمہ دار) کو بھی گھروں کے اندر جھانکنے اور تجسس کرنے کا شرعاً کوئی حق نہیں ہے، ایسے ہی عام مسلمانوں کو دوسروں کے اندرونی معاملات اور خفیہ حرکات میں دخل دینے کا کوئی حق نہیں، کسی کا ظاہر نیک ہے تو بس اسے نیک مان لینا چاہئے۔

یہ عاجز کہتا ہے:

ایک ہے کسی کو اس کی ظاہری نیک حالت کی بنیاد پر نیک سمجھنا اور بلاوجہ بدگمانی یا تجسُّس و عیب جوئی سے زبان کو محفوظ رکھنا تو اس میں کوئی شک نہیں کہ مومن کی یہی شان ہونی چاہئے اور یہی بات اسلام کی تعلیمات کے مطابق ہے؛ اور ایک ہے اس پر بھروسہ کرنا اور قابل اعتماد سمجھنا، تو معلوم ہونا چاہئے کہ یہ ضروری نہیں کہ ہم کسی بھی نیکوکار اور بظاہر صالح شخص کو قابل اعتماد سمجھ لیں اور اس پر بھروسہ کر بیٹھیں، کیوں کہ ایسا کرنا نہ عقل کے موافق ہے نہ شریعت کے، اس لئے سالکین کو چاہئے کہ وہ اس فرق کو اپنے معاملات میں ملحوظ رکھیں تا کہ دنیا و آخرت دونوں جگہ نقصان اٹھانے سے محفوظ رہ سکیں۔

(۲)

اپنے کمالات پر نظر نہ ہونا چاہئے

ایک درویش کو میں نے دیکھا کہ وہ کعبے کی چوکھٹ پر سر رکھ کر عرض کر رہا تھا "اے غفور الرحیم! تجھے معلوم ہے کہ ظلوم وجہول[۱] بندوں سے کیا خیر وجود میں آسکتا ہے، میں کوئی بہت نیکیوں کا ذخیرہ لے کر تیرے سامنے نہیں آیا ہوں، میں تو تیرے سامنے بس بندگی نہ کر سکنے کا اعتراف لے کر آیا ہوں کہ مجھ سے تیری بندگی اور عبادت کا کوئی حق ادا نہ ہو سکا، کیونکہ میرے پاس تیرے حضور پیش کرنے کے قابل کوئی نیکی نہیں ہے؛ عبادت کرنے والے عبادت کا ثواب چاہتے ہیں، تاجر لوگ اپنے مال کی قیمت چاہتے ہیں، میں ایسا نالائق غلام ہوں کہ نہ میرے پاس طاعت کا ذخیرہ ہے نہ تجارت کا مال، بس ایک تیری عنایت کی امید لے کر آیا ہوں، اس کے سوا میرے پاس کچھ نہیں ہے؛ میرے ساتھ وہ معاملہ کر جس کا تو اہل ہے یعنی عفو در گذر فرمادے، وہ معاملہ نہ کر جس کا میں اہل ہوں کیوں کہ تو چاہے تو سزا بھی دے سکتا ہے چاہے تو معاف بھی کر سکتا ہے۔

شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

کعبے کے دروازے پر میں نے ایک اور شخص کو دیکھا کہ وہ رو رو کر عرض کر رہا تھا "اے اللہ! آپ سے میں یہ نہیں کہتا کہ میری نیکیاں قبول کر لیجئے، میں تو بس یہ عرض کر رہا ہوں کہ میرے گناہ بخش دیجئے" اللہ تعالیٰ کی عظیم ذات کے سامنے پیش کرنے کے قابل بندے کے پاس ہو بھی کیا سکتا ہے؟ تیرے کرم سے ہمارے گناہوں کا انبار ہی سر سے اتر جائے تو بڑی بات ہے۔

---

[۱] قرآن کریم میں انسان کا مزاج ایسا ہی بتایا گیا ہے، انہ کان ظلوماً جھولا

یہ عاجز کہتا ہے:

آدمی کا کمال، کمال پر نظر نہ ہونا ہے؛ آدمی خواہ کتنا بھی نیکوکار اور پرہیز گار ہو جائے حق تعالیٰ کے بلند مقام کے سامنے اس کی کیا حیثیت ہو سکتی ہے؟۔اس لئے ہمیشہ حق تعالیٰ کی عظمت اور اپنی حیثیت مدنظر ہونی چاہیئے، یہی تمام انبیاء واولیاء کا شیوہ ہے، بلکہ ولایت کا بلند مقام ملتا ہی ہے اپنے کو اپنی نظر میں تمام مخلوق سے کم تر مان لینے کے بعد، ایک بزرگ نے فرمایا ہے کہ راہِ سلوک کا پہلا قدم بھی فنا ہے اور آخری قدم بھی فنا ہے، عبدیت وفنائیت ہی حاصل تصوف ہے۔

(۳)

بندہ بن کر رہنا چاہیئے

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کو لوگوں نے حرم کعبہ میں اس حال میں دیکھا کہ سر زمین پر رکھے ہوئے تھے اور عرض کر رہے تھے "اے اللہ! مجھے معاف فرما دیجئے، میرے گناہ بخش دیجئے، اور اگر میرے گناہوں کی سزا ہی دینا ضروری ہے تو مجھے قیامت کے دن اندھا اٹھائے تا کہ آپ کے نیک بندوں کے سامنے شرمندگی سے بچ جاؤں"۔

شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

صبح صبح جب ٹھنڈی ہوائیں چلتی ہیں میں اپنا چہرہ زمین پر رکھ کر مناجات کرتا ہوں کہ اے وہ ذات جسے میں کبھی میں فراموش نہیں کرتا ہوں کیا تجھے بھی اپنا بندہ یاد رہتا ہے؟

یہ عاجز کہتا ہے:

شیخ جیلانیؒ اور شیخ سعدیؒ دونوں اہل اللہ میں سے ہیں؛ مگر اہل اللہ کے احوال مختلف ہوتے ہیں، کسی پر نیاز غالب ہوتا ہے اور کسی پر ناز! جیسے شیخ جیلانیؒ کی گریہ وزاری میں نیاز نظر آرہا ہے؛ شیخ سعدیؒ کی مناجات میں ناز جھلک رہا ہے، یہ اہل اللہ کے احوال ہیں جو

اپنے محبوب رب کے ساتھ مختلف حالات میں مختلف ہوتے رہتے ہیں؛ ہمیں تو بس ان سب حالات سے سبق حاصل کرنا چاہئے؛ خاص طور سے قطب ربانی شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی فنائیت وعبدیت نہایت قابل عبرت ہے، یہی تو وہ مقام تھا جس کی عنداللہ قبولیت نے شیخ کو تمام عالم اسلام کا ہیرو بنادیا، شاید ہی کوئی مسلمان ہو جو شیخ کو نہ جانتا ہو اور دل میں ان کے لئے جذباتِ ادب واحترام نہ پاتا ہو۔

(۴)

تمام انسانوں سے ہمدردی ہونی چاہئے!

ایک چور ایک بزرگ کے گھر چوری کے لئے پہونچا، بہت کچھ تلاش کیا مگر کچھ نہ پایا، بہت مایوس ہو گیا کہ اتنی محنت کی مگر کچھ نہ پایا، ان بزرگ نے اس کی مایوسی اور حسرت کو دیکھا تو رہا نہ گیا، انہوں نے اپنی کمبل ـــــ جس کو بچھا کر اس پر سو جایا کرتے تھے ـــــ اپنے نیچے سے نکال کر اس کے راستے میں ڈالدی تاکہ بیچارے کو کچھ تو مل جائے۔

شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اللہ والے تو دشمنوں کا دل بھی نہیں دُکھاتے، تمہیں یہ مقام ولایت کیسے حاصل ہو سکتا ہے جب کہ تم تو اپنے دوستوں سے بھی لڑائی جھگڑا کرتے رہتے ہو؛ اہل اللہ کا انسانوں کے ساتھ ایسی ہمدردی برتنا محض اللہ کے واسطے ہوتا ہے، دکھاوے کے لئے نہیں ہوتا، ایسا نہیں ہوتا کہ یہ حضرات سامنے تو تعریف کریں اور پیٹھ پیچھے برائیاں کرتے پھریں۔

یہ عاجز کہتا ہے:

واقعہ یہ ہے کہ دل کی نرمی اور دوسروں کے دکھ درد کا احساس ہی انسانیت ہے، جانوروں کو دوسرے کی تکلیف کا کیا احساس ہوتا ہے؟ یہ انسان ہی ہیں جو کہتے ہیں کہ سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے؛ ان بزرگ کی ہمدردی وغم خواری کا کتنا اونچا مقام ہے کہ

ایک شخص ان کا مال چرانے اور غم پہونچانے کی فکر میں لگا ہوا ہے اور یہ اس کو پکڑ کر پیٹنے کے بجائے اس کا غم دور کرنے اور دکھ درد میں شریک ہونے کی فکر کر رہے ہیں؛ خود غرضی کے اس دور میں کیا ہم اخلاق کی اِن بلندیوں کا تصور بھی کر سکتے ہیں؟ کاش! ہم کم سے کم اتنا تو سیکھ لیں کہ دوسروں کا حق مارتے ہوئے دل کانپ لگے، چاہے دوسروں کے لئے اپنا نہ لٹا سکیں۔

(۵)

کسی سے دھوکہ کھا جائیں تو مایوس نہ ہونا چاہئے

اللہ والوں کی ایک جماعت آپس میں متفق و متحد اور ایک دوسرے کی خیر خواہ بن کر رہتی تھی؛ میں نے چاہا کہ میں بھی ان میں شامل ہو جاؤں، بہت اصرار کے ساتھ خواہش ظاہر کی مگر وہ لوگ مجھے اپنے ساتھ لینے کے لئے ہرگز تیار نہ ہوئے؛ یہ دیکھ کر میں نے اُن سے کہا: یہ بات تو نیک لوگوں کے اخلاق سے بعید ہے کہ کسی صحبت اور استفادہ کے خواہش مند کو محروم کر دیں، میں الحمد للہ صاحب سمجھ اور صاحب قوت ہوں، اگر آپ لوگوں کے ساتھ رہوں گا تو بہترین مددگار ثابت ہوں گا کسی کا بوجھ نہ بنوں گا، اگر میں سواری والا نہیں ہوں تو کیا ہوا سواریوں کی زین اٹھانے اور کسنے کی طاقت تو رکھتا ہوں؛ میری اس حسرت بھری گفتگو کو سن کر ان میں سے ایک صاحب نے محبت بھرے انداز میں سمجھایا کہ آپ ہمارے اس سخت فیصلہ کا زیادہ برا نہ مانیں، بات در اصل یہ ہے کہ چند دن قبل ہی ہمارے ساتھ یہ حادثہ پیش آیا کہ ایک چور صوفیاء کی شکل بنا کر ہماری جماعت میں شامل ہو گیا، ہم لوگوں نے بھی اپنے اخلاق حسنہ اور حسن ظن کی وجہ سے تحقیق کو ضروری نہ سمجھا، اس کی ظاہری حالت پر اعتماد کر کے اپنی جماعت میں شامل کر لیا؛ کسی کو کیا معلوم ہو سکتا تھا کہ اس کے دل میں کیا ہے، خیر! کچھ دن ساتھ رہا، پھر ایک دن صبح صبح ایک ساتھی کا لوٹا لے کر ہمارے درمیان سے اس طرح نکلا جیسے استنجاء کے لئے جا رہا ہو، مگر جب ہماری نظروں سے اوجھل ہو گیا تو یہاں سے

بھاگ نکلا اور کسی نواب کے گھر گھس کر ڈاکہ ڈالا اور بچ کر نکلنے میں کامیاب ہو گیا؛ صبح جب گھر والوں کو واقعہ کی اطلاع ہوئی اور چور کی تلاش شروع کی گئی تو سپاہیوں نے شہر کے باہر ہم لوگوں کو پایا وہ لوگ ہمیں کو چور قرار دے کر قلعے میں لے آئے، خوب پٹائی کی اور جیل بھیج دیا؛ اس تلخ تجربے کے بعد سے ہم لوگوں نے طئے کرلیا ہے کہ اب کسی نو وارد پر اعتماد نہیں کریں گے اور اپنی جماعت میں کسی اجنبی کو شامل نہیں کریں گے؛ بس یہ وجہ ہے آپ کی خواہش پوری نہ کرنے کی، آپ برا نہ مانیں ہمیں اپنے فیصلے میں معذور سمجھیں۔

شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

جب کسی قوم کا ایک شخص نادانی کر بیٹھتا ہے تو اس قوم کے نہ چھوٹوں کی عزت باقی رہتی ہے نہ بڑوں کا احترام قائم رہتا ہے؛ دیکھتے نہیں ہو کہ ایک بیل کسی کھیت میں گھس کر کھیتی چر جاتا ہے تو گاؤں کے تمام لوگ بدنام ہو جاتے ہیں؛ اسی طرح کسی مجلس میں اگر کوئی بے تہذیب داخل ہو جاتا ہے تو کتنے ہی لوگوں کے دلوں کو رنجیدہ کر دیتا ہے، یا جیسے عرق گلاب کے تالاب میں ایک کتا گر جائے تو پورا تالاب ناپاک کر دیتا ہے۔

یہ عاجز کہتا ہے:

اس واقعے سے ہمیں دو سبق سیکھنے کو ملتے ہیں، ایک تو یہ کہ عقل مندوں کو چاہئے کہ نہ کسی مسلمان سے بدگمانی کریں اور نہ ہر کسی پر اعتماد و بھروسہ کر بیٹھیں، بلکہ نئے آدمیوں کو دوست بنانے سے قبل کچھ وقت تک انتظار کریں اور اُسے اچھی طرح پرکھ لیں؛ آدمی کی اصلیت، معاملات و معاشرات پرکھے بغیر کھلتی نہیں ہے، اس لئے محض ظاہر کی اچھی حالت پر اعتماد نہ کریں؛ دوسرے یہ کہ کبھی آدمی غیب کا علم نہ ہونے کی وجہ سے کسی کے ساتھ بھلائی کر کے بظاہر بُرے انجام کو پہونچتا اور نقصان اٹھاتا ہے، ایسے وقت اللہ تعالیٰ سے بدگمان نہ ہونا چاہئے اور بھلائی سے کنارہ کشی اختیار نہ کرنا چاہئے، ہاں! اس سے سبق ضرور حاصل کرنا

چاہئے، تاکہ آئندہ حتی المقدور احتیاط سے کام لے سکیں، اور اللہ تعالیٰ سے اس نقصان کے بدلے اجر کی امید رکھنا چاہئے۔

(٦)

دکھاوے کے کاموں سے بچنا چاہئے

ایک جھوٹا صوفی اور بناوٹی ولی کسی بادشاہ کے ہاں مہمان ہوا، کھانے کا دستر خوان بچھا تو اپنے معمول سے بہت کم کھانا کھایا، اور جب نماز کا وقت ہوا تو معمول سے زیادہ اور لمبی نماز پڑھی، مقصد یہ تھا کہ بادشاہ کی عقیدت بڑھ جائے اور وہ بہت بزرگ سمجھے؛ جب گھر واپس آیا تو بھوک سے بے چین تھا، گھر میں داخل ہوتے ہی کھانا طلب کیا کہ جلدی سے کھانا نکالو؛ اس کا ایک چھوٹا بچہ تھا جو بہت سمجھ دار و ہوشیار تھا، اس نے والد سے پوچھا: بادشاہ کے ہاں تو طرح طرح کی نعمتیں تھیں آپ نے وہیں کیوں نہ پیٹ بھر کھالیا؟ باپ نے جواب دیا کہ وہاں اس مصلحت سے کم کھایا تھا کہ کم خوری کی صفت کام آئے، یعنی بادشاہ معتقد ہوجائے؛ بچے نے فوراً بڑی سادگی سے کہا: پھر تو ابا! نماز بھی دہرا لیجئے تاکہ قبول ہوکر آپ کے کام آئے، کیوں کہ وہ نماز تو ریاکاری والی نماز تھی قیامت کے دن آپ کے ذرا بھی کام نہیں آئے گی۔

شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اے ناداں حاجی! میں سمجھتا ہوں کہ تو کعبہ شریف ہرگز نہیں پہونچ سکتا، اس لئے کہ تو عربستان کے بجائے ترکستان کے راستے پر چل رہا ہے اپنے عیبوں کو بغل میں چھپا کر کمالات دکھاتے پھرنے والا قیامت کے دن کچھ بھی نہیں پاسکے گا؛ جو شخص کھوٹے سکے اور جعلی نوٹ جمع کر رہا ہے وہ نادان ضرورت کے موقعے پر اس دولت سے کچھ نہیں پاسکتا۔

یہ عاجز کہتا ہے:

اس زمانے میں ریا کاری، دکھاوا اور مالداروں کی نظر میں معزز بن کے دنیا کمانے کا یہ مرض بہت عام ہوگیا ہے، بالخصوص اہل دین اور خدام دین اس قسم کی عجیب عجیب حرکات میں مبتلا ہیں، بلکہ اسے کمال سمجھ کر فخر سے بیان کرتے پھرتے ہیں؛ ایک صاحب چندے کے ایک سفر میں بہت سارے زنانی ملبوسات لے جا رہے تھے، وجہ پوچھنے پر بتاتے ہیں کہ یہ کیچوے ہیں انہیں ڈال کر ہم بڑی بڑی مچھلیاں نکالتے ہیں، عورتیں جب کپڑوں کا ہدیہ دیکھتی ہیں تو بہت خوش ہوتی ہیں، پھر ان سے چندہ نکالنا آسان ہوجاتا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون، خدا پر بھروسہ ختم ہوجاتا ہے تو حرص کی اس سطح پر انسان اُتر آتا ہے۔

(۷)

نفس کے مکائد سے ہوشیار رہنا چاہئے

مجھے بچپن میں عبادت گذاری و پرہیزگاری کا بہت شوق تھا، ایک رات میں والد محترم کی صحبت میں بیٹھا عبادت میں مشغول تھا، پوری رات آنکھوں میں کٹ گئی، تھوڑی دیر بھی نہ سویا، بقیہ سب لوگ رات تمام سو رہے تھے، میں نے شب بیداری کے دوران والد سے کہا کہ ان لوگوں میں سے کسی ایک آدمی کو بھی اٹھ کر دو رکعت پڑھنے کی توفیق نہیں ہوتی، مُردوں کی طرح پڑے سو رہے ہیں؛ یہ سن کر والد محترم نے فرمایا: بیٹے! تم بھی ان کی طرح سوئے ہوئے ہوتے تو اس سے بہتر تھا کہ جاگ کر مخلوقِ خدا کی بُرائی کر رہے ہو۔

شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ریا کار اپنے علاوہ کسی کی خوبی نہیں دیکھتا، کیوں کہ اس کی آنکھوں پر غرور کا پردہ پڑا ہوا ہوتا ہے؛ حقیقت یہ کہ اگر اللہ تعالیٰ تمہیں دیکھنے والی آنکھ عطا فرمائے تو تم دنیا میں کسی کو اپنے سے کم تر نہیں پاؤ گے، سب کو اپنے سے بہتر ہی پاؤ گے۔

یہ عاجز کہتا ہے:

اہل اللہ کی یہ کسر نفسی ہوتی ہے کہ اپنی خوبیاں تو فرضی واقعات کی شکل میں دوسروں کا پردہ ڈال کر بیان کرتے ہیں اور اپنی خامیوں کو بلا تکلف اپنی طرف منسوب کر کے لوگوں کی عبرت کے لئے سنا دیتے ہیں؛ ان کے برخلاف منافق مزاج اور دھوکہ باز مولوی دوسروں کے کمالات کو اپنی طرف منسوب کرتے ہیں، اپنے عیوب دوسروں کی طرف نسبت کر کے بیان کرتے ہیں؛ اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوا کے شیخ کے والد محترم بھی پائے درجہ کے بزرگ بلکہ شیخ طریقت تھے جن کی صحبت میں لوگ استفادے کی غرض سے آکر رہتے تھے، یہ بھی معلوم ہوا کہ ماحول اور تربیت کی برکت سے خود شیخ بچپن ہی سے علم وعمل کا ذوق رکھتے تھے، شب بیداری و پرہیزگاری سے آراستہ تھے، تیسری بات وہ باریک اور لطیف نکتہ ہے جو شیخ کے والد نے واضح کیا کہ آدمی بسا اوقات دوسروں کی عیب جوئی کے ذریعے اپنی کی ہوئی نیکیاں ضائع کر لیتا ہے، نفس کے اس کید سے سالکین کو بہت چوکنا رہنے کی ضروت ہے۔

(۸)

اپنی تعریف سُن کر خوش فہمی میں مبتلا نہ ہونا چاہئے

ایک بزرگ کی لوگوں نے برسر محفل تعریف کی اور ان کے اوصاف وکمالات خوب بیان کئے، انہوں نے یہ سن کر سر اٹھایا اور فرمایا ''میری حقیقت میں ہی زیادہ جانتا ہوں آپ لوگ جو کچھ جانتے ہیں وہ میرا ظاہر ہے جب کہ میرے باطن کو آپ لوگ نہیں جانتے''

شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

میری حیثیت عام لوگوں کی نظر میں بہت اچھی اور قابل تعریف ہے مگر میں اپنے باطن کی خباثت کی وجہ سے اپنی نظر میں ایسے ہی شرمندہ وسرنگوں ہوں جیسے مور کہ اس کے نقش ونگار کی وجہ سے ہر دیکھنے والا تعریف وتحسین کرتا ہے مگر وہ خود اپنے پیروں کے بھونڈے پن کو

دیکھ کر شرمندہ رہتا ہے۔

یہ عاجز کہتا ہے:

فنائیت، عبدیت اور ہیچ مدانی ہی تصوف و طریقت میں ترقی کے لئے شاہ کلید (ماسٹر کی) کا درجہ رکھتی ہے، اہل اللہ کے سامنے حق تعالیٰ کی عظمت کے ابواب کھلتے چلے جاتے ہیں، جیسے جیسے معرفت رب میں اضافہ ہوتا جاتا ہے عبدیت و بندگی ترقی کرتی جاتی ہے، اسی لئے وہ غیر اللہ کے کمالات دیکھنا چاہتے ہیں نہ سننا پسند کرتے ہیں، اگر کوئی ان کے واقعی کمالات کا ذکر کرتا ہے تو بھی عظمت الٰہی کی بلندیوں کے مقابلے میں انہیں تسلیم کرنا ان کے لئے ممکن نہیں ہوتا، اس لئے اپنے کمالات کا صاف انکار کرتے ہیں، البتہ کبھی کبھی شکر نعمت کے طور پر انعامات خداوندی کا اعتراف بھی کرتے ہیں، مگر غالب حال وہی ہوتا ہے؛ بلکہ ایک بزرگ تو فرماتے ہیں، جس دن بندے کے ذہن میں اپنا کچھ ہونا آ گیا وہ دن اس کے لئے ماتم کا دن ہے کیوں کہ یہیں سے اس کا تنزل شروع ہو جائے گا۔

(۹)

کرامات کو ہی معیار کمال نہ سمجھنا چاہئے

ایک بزرگ ــــــ جن کی کرامات و مقامات کا بہت شہرہ تھا ــــــ دمشق کی جامع مسجد میں تشریف لائے، مسجد میں بنے چونے کے حوض پر وضو فرما رہے تھے کہ اچانک پیر پھسل گیا اور وہ پانی میں گر گئے، بڑی مشکل سے حوض کے باہر نکل پائے، جب نماز سے فارغ ہوئے تو ان کے جاننے والوں میں سے کسی نے عرض کیا: حضرت! ایک اشکال ہے، پوچھا کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا: مجھے یاد ہے کہ ایک دفعہ آپ دریا پر سے اس طرح گذر گئے تھے کہ آپ کے پاؤں تک نہیں بھیگے تھے مگر آج یہ کیفیت ہوئی کہ تھوڑے سے پانی میں آپ ہلاک ہوتے ہوتے بچ گئے، ایسا کیوں؟ شیخ نے سر جھکا کر غور کیا اور اس کے بعد فرمایا:

’’کیا تمہیں معلوم نہیں کہ رسول اللہ ﷺ پر مشاہدۂ حق کی کبھی ایسی کیفیت ہوتی تھی کہ جبرائیل و میکائیل کو ملنے کی جرأت نہ ہوتی تھی اور کبھی آپ ازواجِ مطہرات کے ساتھ دل جمعی و بے تکلفی کی باتیں بھی فرما لیتے تھے: یہ کہہ کر انہوں نے بتلایا کہ صلحاء کا مشاہدۂ حق ظہور و ستور کے درمیان ہوتا ہے یعنی کچھ تجلی ہوتی ہے کچھ پردہ، اس طرح کر کے اللہ تعالیٰ بندوں کے دل میں اپنی طلب اور اپنی عظمت میں اضافہ فرماتے رہتے ہیں۔

شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

کسی نے حضرت یعقوب علیہ السلام سے دریافت کیا آپ نے مصر کے دور دراز علاقے سے اپنے بیٹے کے کپڑوں کی خوشبو تو بہ آسانی سونگھ لی تھی مگر جب بیٹا قریب ہی ایک کنویں میں پڑا ہوا تھا تو اسے کیوں نہیں دیکھ سکے تھے؟ اس کے جواب میں آپ نے فرمایا: ہمارے حالات کوندنے والی بجلی کی طرح ہیں کہ اچانک چمک اٹھتی اور اچانک غائب ہو جاتی ہے، کبھی ہم قربِ رب کی بلندیوں پر جا پہونچتے ہیں تو کبھی اپنے آپ کو بھی دیکھ نہیں پاتے۔

یہ عاجز کہتا ہے:

وہ باتیں جو انسان کی فطرت اور عام اسباب کے نظام و عادت کے خلاف کسی سے ظاہر ہو جاتی ہیں اگر وہ نبی ہے تو اس سے ظاہر ہونے والی ایسی باتوں کو معجزہ کہتے ہیں، اگر وہ نبی تو نہیں صالح و پرہیزگار اُمتی ہے تو اس کو کرامت کہتے ہیں اور بدکار و فاسق آدمی ہے تو اس کی ایسی باتوں کو استدراج کہتے ہیں؛ نبی سے ایسی باتوں کا ظہور بطور دلیل و ثبوت کے ہوتا ہے، ولی سے بطور اکرام و عزت افزائی کے ہوتا ہے اور فاسق سے بطور ڈھیل کے؛ مگر ایسی خلافِ عادت باتوں کا بندوں سے ظہور ـــــ خواہ وہ نبی ہو یا ولی ـــــ ان کے اختیار میں نہیں ہوتا بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کے ارادے سے ہوتا ہے؛ مذکورہ بالا واقعہ سے یہی بتانا مقصود ہے کہ اس کمال کے غیر اختیاری ہونے کی وجہ سے اس پر نہ نبوت کا مدار ہے نہ

ولایت کا؛ اس لئے اولیاء میں کرامات کو تلاش کرنا اور نہ ملنے پر ان سے بدگمان ہو جانا قطعاً درست نہیں، اولیاء کو صرف اتباع سنت اور پابندیٔ شریعت کی علامت سے پہچاننا چاہئے۔

(۱۰)

بات لوگوں کے فہم کے مطابق کرنا چاہئے

میں ایک دفعہ بعلبک کی جامع مسجد میں ایک ایسے مجمع میں بیان کر رہا تھا جو بے حس و بے کیفیت تھا، حقائق و معانی کو سمجھنے کی ان لوگوں میں ذرا بھی صلاحیت نہ تھی، ان کے سامنے ان علوم و معارف کو بیان کرنا جانوروں کو علم سکھانے اور اندھوں کو آئینہ دکھانے کی طرح بے کار و بے اثر معلوم ہو رہا تھا مگر اتفاق سے خود میرے اوپر اس وقت علوم کی آمد ہوتی چلی جارہی تھی؛ آیۂ قرآنی: نحن اقرب الیہ من حبل الورید (یعنی ہم بندے سے اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں) پر بات چل رہی تھی، بات یہاں تک پہونچی تھی کہ میں کہہ رہا تھا محبوب مجھ سے بہت زیادہ قریب ہے مگر یہ عجیب بات ہے کہ میں اس سے اتنا ہی دور ہوں، اتنے میں ایک راستہ چلتا شخص مجلس کے قریب سے گذرا، جب اس کے کان میں میری یہ باتیں پڑیں تو وجد میں آگیا اور نعرۂ تکبیر بلند کیا، یہ دیکھ کر دوسرے لوگ بھی مست ہو کر جوش و خروش میں آگئے، اور تمام حاضرین پر ایک کیفیت طاری ہوگئی؛ یہ منظر دیکھ کر میرے منھ سے نکلا: سبحان اللہ! باخبر لوگ دور رہ کے بھی نزدیک ہوگئے اور بے خبر لوگ نزدیک رہ کر بھی دور و محروم ہیں۔

شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

سامعین اگر بات کو سمجھنے کی اہلیت نہیں رکھتے تو بیان کرنے والے کو ان پر زور بیان خرچ کر کے نفع کی امید نہ رکھنی چاہئے، عقیدت کے میدان میں وسعت پیدا کرو تاکہ بات کرنے والا بھی پوری قوت سے گفتگو کا گیند پھینک سکے۔

یہ عاجز کہتا ہے:

میرے شیخِ اولی حضرت محی السنہؒ فرمایا کرتے تھے کہ مقرر اور سامعین کی مثال ماں اور بچے کی سی ہے کہ جب تک بچہ بھوک کی شدت سے روتا نہیں ماں کی چھاتی میں دودھ آتا نہیں، اسی طرح جب تک سامعین میں صدق طلب نہیں پیدا ہوتی واعظ کے ذہن اور زبان میں شدت وگرمی نہیں پیدا ہوتی، ہمارا بھی تجربہ یہی ہے کہ بسا اوقات دو چار آدمیوں کے درمیان اچھا خاصا وعظ ہو جاتا ہے اور کبھی بڑے بڑے مجمعوں میں ذہن چلنے کے لئے تیار نہیں ہوتا زبردستی کی کھینچا تانی کرنی پڑتی ہے؛ اس لئے سالکین وطالبین کو چاہئے کہ مجالسِ دینیہ میں دل جمعی اور سچی طلب کے ساتھ بیٹھا کریں، بیان کرنے والی کی طرف متوجہ رہیں اور خلل ڈالنے والی حرکتوں سے سختی کے ساتھ اجتناب کریں، تاکہ شیخ کا ذہن یکسو رہے اور مؤثر ونافع مضامین کا ورود ہوتا رہے۔

(۱۱)

سفر کا نظام سوچ سمجھ کر بنانا چاہئے

ایک دفعہ میں مکہ مکرمہ کے سفر پر تھا، سفر کے دوران ایک رات ایسا ہوا کہ کئی دن سے نیند پوری نہ ہونے کی وجہ سے چلنے کی ہمت ختم ہوگئی، مجبوراً آرام کرنے کا ارادہ کرکے سواری سے اتر گیا؛ سواری والے سے بھی کہہ دیا کہ مجھ سے اب سفر کی امید نہ رکھو، مجھے سونے دو؛ جب جانور بھی چلتے چلتے تھک جاتے ہیں تو بے چارے آدمی کی تھکان کا کیا حال ہوگا، موٹے کے دبلے ہونے تک دبلا تو مر ہی جائے گا؛ یہ سن کر سواری والے نے کہا: شیخ! ہمت کرلو حرم سامنے ہے اور حرامی (یعنی لٹیرے) پیچھے ہیں، اس لئے چلتے رہیں گے تو مکہ مکرمہ پہونچ جائیں گے ورنہ لٹیروں کے ہاتھ مرجائیں گے۔

شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

صحرا کے راستوں میں ٹھنڈی راتوں اور صبح کے سہانے وقت سو جانا تھکے مسافر کے لئے اگر چہ بہت پسندیدہ اور مزیدار ہوتا ہے مگر ساتھ ہی پر خطر اور جان لیوا بھی ثابت ہوتا ہے۔

یہ عاجز کہتا ہے:

حاصل یہ ہے کہ آدمی کو ہر کام ترتیب و اعتدال کے ساتھ کرنا چاہئے، خاص طور سے سفر کا نظام حفاظت و راحت اور سہولت کو مدنظر رکھ کر اہتمام سے بنانا چاہئے، تا کہ اپنے نفس کا حق بھی ادا ہو، سواریوں پر بھی ظلم نہ ہو اور خطرات سے حفاظت بھی رہے، خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے ''تم پر تمہاری جان کا بھی حق ہے، اہل وعیال کا بھی حق ہے، آنکھ کا بھی حق ہے'' اور ارشاد ہے کہ ''حق دار کا حق ادا کرو'' پس سالکین و طالبین کو چاہیئے کہ

(۱۲)

ہر حال میں شکر گذار رہنا چاہئے

ایک اللہ والے کو میں نے سمندر کے کنارے اس حال میں دیکھا کہ تیندوے کے حملے سے زخمی ہو کر پڑے ہوئے تھے، کسی دوا سے علاج نہیں ہو پا رہا تھا، کافی عرصے سے اسی تکلیف میں مبتلا تھے، مگر برابر حق تعالیٰ کا شکر بجالاتے تھے، جب ان سے پوچھا جاتا کہ مصیبت کی اس سنگین صورت حال میں شکر کس بات کا ادا کرتے ہیں؟ وہ فرماتے تھے: اس بات کا شکر کہ مصیبت میں اگر چہ مبتلا ہوں مگر معصیت (یعنی گناہ) سے محفوظ ہوں، میرا محبوب مولا اس حالت میں مجھے قتل کرنے کا حکم بھی دیدے تو مجھے اپنی جان کا غم تو ہر گز نہ ہوگا البتہ اس کا غم ضرور ہوگا کہ میرے قصوروں کی وجہ سے میرے محبوب کا دل دُکھا۔

شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

بے شک اہل اللہ ایسے ہی ہوتے ہیں، یہ لوگ مصائب کو معاصی کے مقابلے میں ہلکا

سمجھتے ہیں، گناہ سے بچنے کے لئے ہر مصیبت گوارا کر لیتے ہیں، حضرت یوسف علیہ السلام نے گناہ کی دعوت کے مقابلے میں کتنی بڑی مصیبت کو اختیار کر لیا تھا۔ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا یَدْعُوْنَنِیْۤ اِلَیْهِ ۚ یعنی اے میرے پروردگار! جس گناہ کی طرف یہ عورتیں بلا رہی ہیں اس سے تو مجھے جیل کی مصیبت میں مبتلا ہو جانا زیادہ پسندیدہ ہے۔

یہ عاجز کہتا ہے:

واقعی! بڑی سے بڑی مصیبت حق تعالیٰ کی نافرمانی کے مقابلے میں ہلکی ہے، محسن و مہربان کی نافرمانی اور حکم عدولی سے بڑھ کر شریف اور وفادار بندے کے لئے کیا مصیبت ہو سکتی ہے؟ اسی لئے اہل اللہ اپنی جان پر ہر تکلیف جھیل لیتے ہیں، مگر گناہ کی ہمت نہیں کرتے، خواجہ صاحبؒ انہیں جذبات کی ترجمانی کی ہے۔

بہت گو ولولے دل کے ہمیں مجبور کرتے ہیں   تری خاطر گلے کا گھونٹا منظور کرتے ہیں

بہت سے گناہ ایسے ہیں جن میں نفس کی لذت ہونے کی وجہ سے کرنے کو جی چاہتا ہے، دل مچل کر رہ جاتا ہے، نہ کرنے کی صورت میں دم گھٹتا ہوا لگتا ہے مگر اہل اللہ کو مرجانا گناہ کرنے سے آسان معلوم ہوتا ہے، حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں: کوئی نیکی گناہ سے بچنے کی نیکی کے برابر نہیں ہو سکتی؛ پس راہِ خدا کے رہروں اور رضائے الٰہی کے طالبوں کو چاہیئے کہ ہر گناہ سے بچنے کا اہتمام کریں، کیوں کہ اس کے بغیر کوئی شخص ولایت کے مقام کو پاسکا ہے نہ پاسکتا ہے۔

(۱۳)

دوستوں کی عزت کا لحاظ رکھنا چاہیئے

ایک درویش کو کوئی ضرورت پیش آگئی، اس نے اپنے کسی ساتھی کی کمبل چُرا کر فروخت کر لی، بات عدالت تک پہونچ گئی، جب اس شخص کی چوری ثابت ہوگئی تو قاضی نے اس کا

ہاتھ کاٹ دینے کا حکم دیا، کمبل والے کو معلوم ہوا تو اس نے سفارش کی کہ یہ کمبل میں اس کو ہبہ کر دیتا ہوں، عدالت بھی اس کی سزا منسوخ کر دے قاضی نے کہا: تمہاری سفارش سے میں شرعی سزا کو کیسے منسوخ کر دوں؟ وہ کہنے لگے: آپ کی بات بے شک صحیح ہے مگر یہ بھی تو ہے کہ وقف کا مال چوری کرنے پر حد جاری نہیں کی جا سکتی اور ہم درویشوں کے پاس جو کچھ ہے وہ محتاجوں کے لئے وقف ہے؛ قاضی نے یہ سنا تو اس درویش کو اگرچہ چھوڑ دیا مگر خوب ناراض ہوا اور ڈانٹا کہ ساری دنیا چھوڑ کر تجھے چوری کرنے کے واسطے ایسا ہمدرد و بااخلاق دوست ہی کا گھر ملا تھا؟ اس نے کہا: آپ نے بزرگوں کا یہ مقولہ نہیں سنا کہ دوستوں کے گھر جھاڑو لگا لو مگر دشمن کے گھر کی کنڈی نہ کھٹکھٹاؤ۔

شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

حالات کی گردش سے اگر پریشانی میں مبتلا ہو جاؤ تو ہمت نہ ہارو، عاجز نہ بنو، دشمنوں کی کھال ادھیڑ لو اور دوستوں کے کپڑے اتار لو۔

یہ عاجز کہتا ہے:

شیخ سعدیؒ کے اس قول کا مطلب یہ ہے کہ مصیبت اور تنگی کے حالات میں آدمی کو ہمت ہار کے بیٹھ رہنا نہیں چاہیے بلکہ حوصلہ بلند کر کے حالات کا مقابلہ کرنا اور حُسن تدبیر کے ذریعہ ناخوش گوار حالات کو خوشگوار بنا لینا چاہیے۔ اور حکایت کا حاصل یہ ہے کہ اگر اپنا دوست مجبوری میں کوئی نقصان پہونچا دیا ہے تو دوستی کو نباہتے اور مجبوری کا لحاظ کرتے ہوئے درگزر سے کام لینا چاہیے اور اس دوست کو بے آبروئی کی مصیبت سے بچا لینا چاہیے کہ آخر وہ اپنا دوست ہے؛ خوب سمجھ لیں کہ حکایت سے دوستوں کے ہاں چوری کر لینے کا جواز نہیں نکلتا اور شیخ کی نصیحت سے مار دھاڑ کی گنجائش فراہم نہیں ہوتی، یہ ایک محاورہ ہے جس کا صحیح مطلب وہی ہے جو اوپر بیان کر دیا گیا۔

(۱۴)

اللہ کی یاد سے کبھی غافل نہیں ہونا چاہئے

ایک بادشاہ نے ایک بزرگ سے ملاقات کی، تو ان سے دریافت کیا: کہ کبھی آپ کو ہماری یاد آتی ہے؟ انہوں نے فرمایا: ہاں! جب اللہ تعالیٰ کو بھول جاتا ہوں تب تمہاری یاد آتی ہے۔

شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

جس شخص کو اللہ پاک اپنے سے غافل کر دیتے ہیں تو وہ ہر طرف مارا مارا پھرتا ہے اور جس کو اپنی جانب متوجہ رہنے کی توفیق دیتے ہیں تو پھر اس کو کسی کے دروازے پر جانے کا محتاج نہیں رکھتے۔

یہ عاجز کہتا ہے:

جن بندوں کو اللہ تعالیٰ کی قدرتِ قاہرہ اور رحمتِ کاملہ کا یقین ہو جاتا ہے ان کی نظر اللہ تعالیٰ کی چوکھٹ سے ہٹ کر کسی اور طرف جاتی ہی نہیں ہے؛ پھر جو کوئی اللہ تعالیٰ کا ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس کے ہو جاتے ہیں، اس کا کھرا کھوٹا سب اس لئے قبول کر لیتے ہیں کہ اس بندے کا میرے علاوہ کوئی نہیں ہے، اور اس کی ہر حاجت اسی ایک بارگاہ سے پوری ہوتی رہتی ہے؛ باخدا بندوں کو مخلوق کی مدح وذم یعنی پسند کرنے یا ناپسند کرنے کی کوئی پرواہ نہیں رہتی، وہ اپنے مولیٰ کو پالینے کے بعد دنیا کی ساری لیلاؤں سے بے نیاز ہو جاتے ہیں۔

(۱۵)

دولت مندوں کی چاپلوسی سے بچنا چاہئے

ایک علاقے کے بادشاہ کا انتقال ہو گیا تھا، انہیں دنوں میں اور اسی علاقے میں ایک پادری یعنی عیسائی بزرگ کا بھی جس سے بادشاہ کو عقیدت تھی انتقال ہو گیا، ایک اللہ والے

نے خواب میں دیکھا کہ بادشاہ جنت میں ہے اور پادری جہنم میں، لوگوں نے دریافت کیا کہ ایسا کیوں ہوا؟ ہم تو اس کے برخلاف سمجھتے تھے کہ پادری جنت میں گیا ہوگا اور بادشاہ جہنم میں؛ اُن بزرگ نے جواب دیا: بادشاہ کو پادری سے جو اللہ واسطے کی عقیدت ومحبت تھی وہ اس کو جنت میں لے گئی، اور پادری کو بادشاہ سے جو دولت وعزت کی توقع تھی وہ اس کو جہنم میں لے گئی۔

شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اگر کوئی شخص بے عمل و بدکردار ہے تو یہ تسبیح وجبہ اور دکھاوا اُسے کیا کام دے سکتا ہے؟ اس لئے اصل چیز صوفیوں کی وضع بنالینا نہیں ہے بلکہ ان کے اخلاق وصفات کو اپنانا ہے، اگر آدمی عمدہ لباس میں ہو مگر درویش صفت ہو تو اس سے بہتر ہے کہ وضع قطع تو صوفیا کی بنا لے مگر عادتیں دنیاداروں کی سی ہوں۔

یہ عاجز کہتا ہے:

آج کل عام طور سے لوگ کسی کے جبہ ٹوپی وداڑھی کو دیکھتے ہی یہ سمجھ بیٹھتے ہیں کہ بہت نیک آدمی ہے، یعنی دینداری کا معیار ایک خاص وضع کو سمجھ لیا گیا ہے، اور عوام جہلا تو ایسا سمجھتے ہی ہیں بہت سے صلحاء وسالکین بھی وضع قطع کی درستگی اور مسنونیت کو ہی دین داری کی پہچان سمجھ بیٹھے ہیں، اخلاق واعمال کو مسنون بنانے اور بری عادتوں کو چھوڑنے کی کوئی فکر نہیں کرتے، حالاں کہ یہ سوچ غلط ہے؛ اس میں کوئی شک نہیں کہ ظاہر کا مسنون ہونا بھی بڑی نعمت ہے مگر اصل چیز یہ ہے کہ اخلاق واعمال سنت کے مطابق ہونے چاہیے، بزرگوں نے فرمایا ہے کہ: اتباع سنت کا مفہوم پوری زندگی کا احاطہ کرتا ہے، آدمی کو چاہئے کہ عقیدہ وعمل سے لے کر اخلاق وعادات حتی کہ فکر ونظر بھی سنت کے مطابق بنانے کی فکر کرے، یاد رکھئے! گھٹیا اخلاق کو بڑھیا لباس چھپا نہیں سکتا اور دل کی خرابیوں پر چہرے کی سجاوٹ پردہ نہیں ڈال سکتی۔

(۱۶)

تدبیر کے ساتھ تقدیر بھی سامنے رہنا چاہیے

ایک شخص ننگے پیر پاپیادہ کوفہ سے نکل کر حجاز کے قافلے میں شامل ہو گیا، دیکھا تو اس کے پاس نہ کوئی سامانِ سفر تھا نہ ہی کوئی سواری تھی، بس پیدل چل رہا تھا وہ بھی ننگے پیر، اور مست ہو ہو کر کہتا جارہا تھا کہ میں نہ اونٹ پر سوار ہوں نہ اونٹ کی طرح بوجھ پیٹھ پر لادا ہوا ہوں، نہ رعایا کا حاکم ہوں نہ حاکموں کا غلام، نہ موجود کی حفاظت کا فکر ہے، نہ معدوم کے نہ ملنے کا غم ہے، آرام سے سانس لیتا ہوں اور بےفکر جیتا ہوں؛ اس کی بے سروسامانی اور سفر کی سختی کو دیکھتے ہوئے ایک اونٹ سوار نے اسے تنبیہ کی، اور کہا کہ اس حال میں کیوں نکل گئے ہو، واپس جاؤ ورنہ راستے کی سختیوں سے عاجز آکر مر جاؤ گے؛ اس نے اس تنبیہ کی کوئی پروانہ کی اور اسی طرح مست و مگن سفر جاری رکھا، کچھ دور سفر کرنے کے بعد اس تنبیہ کرنے والے مال دار کی حالت بگڑ گئی وہ موت کے قریب ہو گیا تو درویش اس کے سرہانے آکر کہنے لگا: ہم تو سفر کی سختی سے بھی نہ مرے تم بختی اونٹ پر سوار ہو کر بھی مر گئے۔

شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ایک شخص رات تمام بیمار کے سرہانے روتا رہا، جب صبح ہوئی تو تیماردار مر گیا اور بیمار صحت یاب ہو گیا؛ بارہا دیکھا گیا کہ صحت مند مر گئے اور زخمی و بیمار زندگی کے لمحات گذارتے رہ گئے۔

یہ عاجز کہتا ہے:

حکایت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آدمی کو اسباب و تدابیر نہیں اختیار کرنا چاہیے، بلکہ بتلانا یہ ہے کہ ہلکی پھلکی زندگی اور کم سروسامانی انسان کو جمعیت و سکون نصیب کرتی ہے، آخرت میں بھی حساب کی سہولت کا سبب ہے، آزاد منش آدمی جواب دہی کے بوجھ سے محفوظ ہوتا ہے؛

دوسری بات یہ ہے کہ تدبیر بدرجۂ تدبیر ہونی چاہئے تقدیر کے غلبے سے بے خبر نہیں رہنا چاہئے، مثل مشہور ہے، من در چہ خیالم وفلک در چہ خیال! یعنی میں کیا سوچ رہا ہوں اور آسمان کیا سوچ رہا ہے، اس لئے سالکینِ راہ وطالبینِ خدا کو چاہیئے کہ ہر کام کے اسبابِ عادیہ تو ضرور اختیار کریں مگر اعتماد و بھروسہ اور اُمید وخوف صرف اللہ کی ذات پر رکھنا چاہیئے ۔

تدبیر کے دستِ زریں سے تقدیر درخشاں ہوتی ہے
قدرت بھی کرم فرماتی ہے جب کوشش انسان ہوتی ہے

(۱۷)

غیر اللہ سے کوئی توقع نہ رکھنی چاہئے

ایک فقیر ـــــ مرد خدا ـــــ کے بارے میں آتا ہے کہ اسے بادشاہ نے ملاقات کے لئے طلب کیا، سچا ولی تو تھا ہی نہیں، سوچا کہ دبلے ہونے کی دوا استعمال کرلوں تا کہ نقاہت و خستہ حالی کی وجہ سے بادشاہ کی عقیدت میں اور اضافہ ہوجائے، چنانچہ ایسی کوئی دوا استعمال کرلی، وہ دوا اس کو راست نہیں آئی، کھاتے ہی مر گیا۔

شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

جس شخص کو میں سمجھتا تھا کہ پستہ کی طرح مغز ہی مغز ہوگا مگر تحقیق کے بعد پتہ چلا کہ وہ پیاز کی طرح چھلکا ہی چھلکا ہے؛ جو لوگ مخلوق سے توقعات رکھے رہتے ہیں وہ نماز بھی قبلے کی طرف پیٹھ کر کے پڑھتے ہیں، یعنی نماز کے دوران بھی ان کا دھیان بجائے اللہ تعالیٰ کے بندوں کی جانب رہتا ہے، آدمی جب اللہ تعالیٰ کو اپنا حاجت روا اور مولیٰ مانتا ہے تو پھر اس کو چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی سے کوئی غرض نہ رکھے۔

یہ عاجز کہتا ہے:

اخلاص اور توکل علی اللہ بڑی چیز ہے، یہی صفت ہر عبادت کی شان اور ہر نیکی کی پہچان

ہے، آدمی اپنی ضروریات وحاجات میں مخلوق پر اعتماد کرنے لگتا ہے تو اس کے پیدا کرنے اور لمحہ لمحہ کرم کرتے رہنے والے مولا کو بہت بُرا لگتا ہے، یہ بے وفائی بندے کے لئے بڑی کمینگی کی بات ہے، امجد حیدر آبادی کہتے ہیں:

ہر چیز مُسَبَّب سبب سے مانگو　　محنت سے خوشامد سے ادب سے مانگو
کیوں غیر کے آگے ہاتھ پھیلاتے ہو　　بندے ہو اگر رب کے تو رب سے مانگو

(۱۸)

جن سے قبولیت کی امید نہ ہو انہیں نصیحت نہ کرنا چاہئے

یونان میں ڈاکوؤں نے ایک قافلے کو روک کر خوب مار پیٹ کی اور ان کا مال ومتاع لوٹ لیا، قافلے والوں نے بہت منت سماجت کی مگر ڈاکوؤں پر کوئی اثر نہ ہوا، کیوں کہ جب ڈاکو قافلہ لوٹنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں تو انہیں کسی کا کیا غم ہو سکتا ہے؟ اتفاق سے اس قافلے میں حکیم لقمانؒ بھی موجود تھے، ساتھیوں میں سے کسی نے ان سے کہا کہ آپ ان لوگوں کو کچھ نصیحت کیجئے اور کچھ سمجھائیے، شاید آپ کی باتوں سے متاثر ہو کر ہمارا کچھ مال تو لوٹا دیں گے، اتنی ساری دولت کا لٹ جانا بہت خسارے کی بات ہے؛ یہ بات سن کر حکیم لقمانؒ نے فرمایا: ان جیسے سنگ دل لوگوں سے بھلی بات کہنا کا خسارہ مال کے خسارے سے کچھ کم نہیں ہے۔

شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

جس لوہے کو زنگ نے گلا دیا ہو اسے ریگ مال سے رگڑ کر کارآمد نہیں بنایا جا سکتا، بالکل اسی طرح جس کا دل سیاہ وسخت ہو چکا ہو اسے وعظ ونصیحت سے کچھ نفع نہیں ہوتا، ذرا غور کرو کیا پتھر میں سلاخ گھس سکتی ہے؟

یہ عاجز کہتا ہے:

مطلب یہ ہے کہ جب نافرمانی اور ظلم وستم کرتے کرتے آدمی کا دل پتھر ہو جاتا ہے تو اس کو نصیحت کرنے کا کوئی نفع نہیں ہوتا، اور جس کے بارے میں حالات وقرائن سے یقین ہو جائے کہ اس کو نصیحت اور تبلیغ نفع نہیں دے گی تو ایسے شخص کو مخاطب کرنا نصیحت کو ضائع کرنا اور اپنی توہین کر لینا ہے، اس لئے ایسے مواقع پر سکوت ہی بہتر ہے ۔

پھول کی پتی سے کٹ سکتا ہے ہیرے کا جگر
مردِ ناداں پہ کلامِ نرم ونازک بے اثر

(۱۹)

شیخ کامل کی ہدایت کو معمولی نہ سمجھنا چاہئے

مجھے میرے شیخ ابوالفرج ابن جوزیؒ نے سماع کی محفلوں میں شرکت سے بارہا منع فرمایا تھا، مگر مجھے اس کا ذوق بہت تھا اس لئے جب بھی اس کا تقاضہ ہوتا تو نفس غالب آجاتا، اور میں کسی نہ کسی بہانے سے محفل سماع میں شرکت کر لیا کرتا تھا، کبھی شیخ کی تاکید یاد آتی تو یہ کہہ کر دل کو تسلی دے لیتا تھا کہ علماء اگر ہماری مجلسوں میں کبھی بیٹھ کے دیکھیں تو وہ خود وجد ورقص میں آجائیں گے، داروگیر کرنے والے اگر شراب پی لیں تو شرابیوں کو بے قصور ومعذور سمجھنے لگیں گے، چونکہ انہیں ان محفلوں کی مستی کا پتہ نہیں اس لئے ہم کو بھی روکتے ہیں؛ ایک رات ایسا ہوا کہ جب میں ایسی ہی ایک مجلس سماع میں پہونچ گیا تو حسب معمول نفس غالب آیا اور اس میں شرکت ہوگئی؛ خدا کا کرنا گانے والا اس قدر بھدّی آواز اور بھونڈے انداز کا تھا کہ اس کی آواز سے بجائے سرور ونشاط حاصل ہونے کے انقباض وتکدر بڑھتا جاتا تھا، وہ چپ ہوتا تو کچھ سکون ملتا اور جب گانے لگتا تو سر میں درد شروع ہو جاتا، سارے ہی لوگ بیزار تھے مگر سلسلہ جاری تھا، ساتھیوں کی موافقت اور رعایت میں رات تمام اس مصیبت اور آفت

ناگہانی کو بھگتتا رہا؛ یہاں تک کہ مؤذن نے صبح کی نماز کے لئے اذان کہی اور مجلس سماع ختم ہوئی تو میں نے اپنی جگہ سے اٹھ کر بڑے احترام کے ساتھ اپنے سر سے دستار اور کمر سے دینار نکال کر اس قوال کی خدمت میں پیش کیا، اور بغل گیر ہوکر خوب شکریہ ادا کیا؛ ساتھیوں نے جب خلاف معمول میری اس عقیدت کو دیکھا ـــــ وہ بھی ایسے بیزار کن بھدے گوئیے کے ساتھ ـــــ تو وہ حیران ہوکر دل دل میں میری حماقت پر ہنس رہے تھے؛ ایک نے ہمت کر کے مجھے ملامت کرنی شروع کی کہ یہ کیا آپ نے نامعقول حرکت کی کہ مشائخ کی امانت جو احترام وعظمت سے اٹھا کر رکھی جاتی ہے ایسے بدآواز وبے حیثیت گوئیے کو دیدی جس نے عمر بھر میں کبھی چند درہم ہاتھ میں نہیں دیکھے؟ جس کی آواز سن کر پرندے خوف سے بھاگنے لگیں اور جس کے انداز سے سننے والوں کے رونگٹے کھڑے ہوجائیں؛ میں نے کہا: زبانِ شکایت بند کرو، میں نے اس قوال کی ایک کرامت دیکھی ہے جس کی وجہ سے اتنا اکرام کیا ہے، کہنے لگا: مجھے بھی ذرا بتلائے کہ کیا کرامت دیکھی ہے تاکہ میں بھی اس سے مستفید ہو سکوں، میں نے کہا: میرے پیر ومربی نے مجھے سماع کی مجالس میں شرکت سے بار بار منع فرمایا تھا اور بہت سمجھایا تھا مگر میری سمجھ میں ان کی بات نہ آتی تھی، مگر آج کی رات اس شخص کے ساتھ جس طرح گذری ہے اس کے بعد میں نے اس مجلس میں سچی توبہ اور پختہ ارادہ کرلیا ہے کہ آج کے بعد کبھی سماع کی محفل میں شرکت نہ کروں گا؛ یہی اس کی کیا کم کرامت ہے کہ جس کام کی توفیق اپنے شیخ کی ہدایت ونصیحت سے بھی نہ مل سکی تھی اس کی برکت سے مل گئی۔

شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اچھی آواز اچھے حلق اور میٹھے ہونٹوں سے دل کو بھاتی ہے چاہے وہ گائے یا نہ گائے، اور اگر آواز ہی خراب اور بھدّی ہے تو اس کی آواز موسیقی کی دلفریب آوازوں سے جُڑ کر بھی بری ہی لگتی ہے۔

یہ عاجز کہتا ہے:

اس حکایت میں چند باتیں سمجھنے اور سیکھنے کی ہیں، پہلی تو یہی کہ پہلے زمانے میں سماع کے نام سے جو عمل ہوا کرتا تھا وہ اِس زمانے کی بے ہودہ قوّالیوں سے مختلف تھا، اس میں آلاتِ لہو ولعب کا استعمال نہیں ہوتا تھا، غلط اور خلافِ شرع کلام نہیں پڑھا جاتا تھا، ہر کسی کو شرکت کی اجازت نہیں ہوتی تھی، صاحبِ ذوق اور مہذب لوگوں کا مجمع ہوتا تھا، گانے والے بھی شریف و معتبر ہوتے تھے؛ اس کے باوجود بہت سے مشائخ خلافِ سنت ہونے اور خطراتِ نفس میں ابتلاء کے اندیشے سے اپنے مریدوں کو اس میں شرکت سے منع فرماتے تھے، جیسا کہ شیخ سعدیؒ کو بھی ان کے شیخ ابن الجوزیؒ نے منع فرمایا تھا، جس کی بہت مثالیں تاریخ مشائخ میں موجود ہیں؛ دوسری بات یہ کہ مرید اگر مخلص ہو اور سر پر شیخِ کامل کا سایہ موجود ہو یعنی ان کی توجہ اور دعا ساتھ ہو تو بعض عادات جس کو وہ چھوڑنے کی ہمت نہیں کر پاتا ان کے چھٹنے کے اسباب بھی بڑوں کی دعا سے ہو جاتے ہیں، جیسے شیخ کو اس رات سچی توبہ کی توفیق مل گئی۔ تیسری بات یہ ہے کہ شیخ صاحبِ علم تھے، ان کے شیخ نے ممکن ہے سماع سے مشورۃً منع کیا ہوگا، حکماً منع کرتے تو شیخ جیسے صاحبِ علم و عقل سمجھ سے نافرمانی نہ ہوتی۔ چوتھی بات یہ ہے کہ خوش الحانی خداداد نعمت ہے محض گویّا بن جانے سے قبولیت حاصل نہیں ہوتی، ایسے لوگوں سے سرور حاصل ہونے کے بجائے سکون غارت ہو جاتا ہے۔

(۲۰)

دوسروں کے عیوب سے سبق لینا چاہئے

حکیم لقمانؒ سے پوچھا گیا کہ آپ اتنے بڑے ادیب و باتہذیب آدمی ہیں، آپ نے ادب کس سے سیکھا؟ فرمایا: میں نے تو ادب بے ادبوں سے سیکھ لیا کہ جو بات بھی ان لوگوں کی ـــــ یعنی بے ادبوں کی ـــــ مجھے اچھی نہیں لگتی اور ناگوار محسوس ہوتی ہے تو

میں کبھی اس کا ارتکاب نہیں کرتا۔

شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

عقل منداور سمجھ دار آدمی کے سامنے ہنسی مذاق میں بھی کوئی بات کہی جاتی ہے تو وہ اس سے بہت سے سبق حاصل کرلیتا ہے، برخلاف نادان و بے عقل آدمی کے کہ اس کو مخاطب کرکے کوئی حکمت وتہذیب کی بات سمجھائی جائے تو بھی وہ اسے ہنسی مذاق میں لے کرٹال دیتا ہے۔

یہ عاجز کہتا ہے:

لوگوں کے ذوق اور مزاج مختلف ہوتے ہیں، جو انسان فطرتاً مہذب ہوتا ہے اور شروع ہی سے اخلاق وادب سے مزین رہتا ہے اسے زیادہ سکھانا نہیں پڑتا، جب اس کی نظر لوگوں کی حرکات پر پڑتی ہے تو ضمیر اس کے اچھے برے ہونے کا خود فیصلہ کرتا ہے، انہی تجربات سے اس کے علم میں پختگی اور عادات میں سلیقہ مندی بڑھتی چلی جاتی ہے؛ اس کے بر خلاف بدذوق اور کور باطن آدمی کو باقاعدہ تربیت وتادیب کے باوجود تہذیب وادب نصیب نہیں ہوتا؛ تاہم ایسا شخص بھی اگر کسی مرشد کامل کے زیر نگرانی مسلسل سعی کرے تو بہت حد تک کامیاب ہوسکتا ہے؛ اس لئے طالبین وسالکین کو اپنی صلاح وفلاح سے اور شیوخ و مُربیین کو طالبین کی اصلاح سے مایوس بھی کبھی نہ ہونا چاہیئے۔

(۲۱)

بسیار خوری سے بچنا چاہیئے

ایک عبادت گزار کے بارے میں آتا ہے کہ وہ کھانا خوب سیر ہوکر کھاتا تھا اور رات تمام عبادت کرتا تھا، کسی اللہ والے کو معلوم ہوا تو انہوں نے فرمایا: اگر یہ کھانا مختصر کھاتا اور رات تمام سوتا تو زیادہ کھانے اور رات تمام عبادت کرنے سے بہتر تھا۔

شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

پیٹ کو کھانے سے خالی رکھو تاکہ اس میں تم معرفت الٰہی کا نور دیکھ سکو، آدمی کے لئے حکمت و معرفت سے محرومی کا سبب بسیار خوری کا مرض ہی ہوتا ہے۔

یہ عاجز کہتا ہے:

کم خوری کی کتاب و سنت اور مشائخ امت کی تعلیمات میں اس قدر تاکید آئی ہے کہ بیان کی ضرورت نہیں، البتہ اس زمانے میں مشائخ قویٰ کی کمزوری کی وجہ سے سالکین کو یہ ہدایت دیتے ہیں کہ جب بھوک اچھی طرح لگنے لگے تب ضرورت کے بقدر کھالے، اشتہاء اور بھوک کو نہ دبائے مگر ہوس کے لئے وقت بے وقت اور مقدار بے مقدار کھاتے رہنا نہ صحت کے لئے مفید ہے نہ سلوک کے لئے؛ اعتدال ہر عمل کی زینت ہے۔

(۲۲)

لوگوں کی طعن و تشنیع سے گھبرانا نہ چاہئے

ایک گمراہ و گنہ گار شخص نے اللہ تعالیٰ کی توفیق سے گناہوں سے سچی توبہ کر کے صالحین کی صحبت اختیار کر لی تھی، اہل اللہ کی صحبت کی برکت سے اس کی بری عادتیں نیکیوں میں تبدیل ہو گئیں، ماشاء اللہ سے وہ نیک اور صالح ہو گیا، مگر عام لوگ اس کو اب بھی اسی طرح برا سمجھتے اور کہتے تھے جیسا کہ پہلے تھا، بے چارہ صبر کرتا اور ہمت سے کام لیتا رہتا تھا، جب لوگوں کا طعن و تشنیع ناقابل تحمل ہو گیا تو ایک دن اس نے اپنے پیر طریقت کے سامنے اس کا اظہار کیا اور کہا کہ لوگوں کی بدگوئی و طعنہ زنی سے بہت تکلیف ہو رہی ہے؛ انہوں نے جواب میں فرمایا اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو کہ تم اس سے اچھے ہو جیسا کہ لوگ سمجھتے ہیں، رنج و غم تو مجھے ہونا چاہئے کہ لوگ مجھ سے جو حسن ظن اور خوش اعتقادی رکھتے ہیں میں اس سے حقیقت میں کم تر ہوں۔

شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

توبہ وندامت کے ذریعہ بندہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے تو بچ سکتا ہے مگر لوگوں کی زبان سے نہیں بچ سکتا، اس لئے اس شکوے کا کوئی فائدہ نہیں کہ حاسدین ومخالفین ہماری برائی کرتے ہیں، کبھی ہمارا خون بہانے کو کھڑے ہو جاتے ہیں تو کبھی ہمیں نقصان پہونچانے کے لئے مل بیٹھتے ہیں؛ یہ بات اچھی طرح ذہن میں رکھنا چاہئے کہ ہم نیک ہوں اور لوگ ہمیں برا کہیں یہ اس سے بہتر ہے کہ ہم حقیقت میں برے ہوں اور لوگ ظاہر کو دیکھ کر تعریف کرتے رہیں۔

یہ عاجز کہتا ہے:

عام طور سے ہر زمانے اور ہر علاقے کے لوگوں کے اندر یہ خرابی پائی جاتی ہے کہ کوئی اللہ کا بندہ غلط کاری اور گمراہی سے نکل کر خیر اور بھلائی کے راستے پر چلنے لگتا ہے تو بجائے اس کی ہمت افزائی کرنے کے سابقہ حالات کا طعنہ ہی دیا کرتے ہیں، گویا ان کا ان گناہوں سے محفوظ رہنا ان ہی کا کمال ہے توفیق الٰہی کا نتیجہ نہیں، کیوں کہ اگر توفیق الٰہی کا نتیجہ سمجھتے تو دوسرے کی تحقیر وتذلیل کبھی نہ کرتے؛ پھر یہ طعنہ دینے والے خواہ اس برائی سے خود محفوظ ہوں مگر دوسرے قسم کے ہزاروں عیبوں اور برائیوں میں مبتلا رہتے ہیں، جب کہ قرآن کریم نے تجسس اور عیب جوئی اور برے القاب سے کسی کو یاد کرنے کو فسق وبے دینی قرار دیکر مسلمانوں کو اس سے بچنے کی تلقین فرمائی ہے، اس لئے سالکین کو چاہئے کہ وہ کبھی ایسی حرکت نہ کریں، کسی بھی مسلمان کی عیب جوئی وطعنہ زنی سے بچیں خاص طور سے جن اللہ کے بندوں نے توفیقِ الٰہی سے فسق وفجور کی زندگی سے توبہ کر کے صلاح وتقویٰ کا راستہ اختیار کرلیا ہے ان کو سابقہ گناہوں سے عار دلا کر رنجیدہ خاطر ہرگز نہ کریں۔ حضرت حکیم صاحبؒ نے بالکل صحیح فرمایا ہے۔

خوب رویوں سے ملا کرتے تھے میر
اب ملا کرتے ہیں اہل اللہ سے
مت کرے کوئی تحقیر میر کی
رابطہ رکھتے ہیں اب اللہ سے

(۲۳)

مظلوم کی آہ سے بچنا چاہئے

ایک مستجاب الدعوات بزرگ (یعنی جن کی دعائیں رد نہیں ہوتیں) بغداد میں کہیں اور سے تشریف لائے، حجاج بن یوسف (ایک ظالم حکمراں) کو معلوم ہوا تو اس نے ان کو محل میں طلب کیا اور ان سے دعائے خیر کی گذارش کی، انہوں نے فوراً ہاتھ اٹھائے اور دعا کی "اے اللہ اس کو موت دیدے" وہ پریشان ہوکر کہنے لگا: یہ کیا آپ نے دعا کردی؟ آپ نے فرمایا: یہ تیرے حق میں اور تمام مسلمانوں کے حق میں بہترین دعا ہے۔

شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وہ طاقت ور لوگ جو کمزوروں پر ظلم کرتے رہتے ہیں انہیں سوچنا چاہئے کہ ان کے ظلم کا یہ بازار آخر کب تک گرم رہے گا؟ یہ دنیاداری وزورآوری انہیں کب تک کام دے گی؟ ایسے ظالموں کے جینے سے تو ان کا مرجانا زیادہ بہتر ہے۔

یہ عاجز کہتا ہے:

آدمی اگر صلاح وتقویٰ اور انسانیت نوازی کے کام کرتا ہے تو ہر کسی کے دل سے اس کی صحت وسلامتی اور عمر درازی کے لئے دعائیں نکلتی ہیں، اس کے برخلاف اپنی طاقت ودولت کے گھمنڈ میں ظلم وزیادتی کی راہ پر چلتا ہے تو جسے دیکھو اس کے لئے ہلاکت وبربادی کی دعا کرتا ہوا نظر ہوتا ہے؛ اس لئے سالکین وطالبینِ حق کو چاہئیے کہ ہمیشہ اللہ کے بندوں کے

ساتھ ہمدردی اور بھلائی کا معاملہ رکھیں، کسی کا دل نہ دکھائیں اور آہ نہ لیں۔

(۲۴)

کسی کا بُرا نہ سوچنا چاہئے

کسی بادشاہ نے ایک مجرم کو قتل کردینے کا حکم دیا، وہ بے چارہ جب زندگی سے ناامید ہوگیا تو ـــــ مرتا کیا نہ کرتا کے مصداق ـــــ بادشاہ کو اپنی زبان میں برا بھلا کہنا شروع کیا، بادشاہ نے مقربین سے معلوم کیا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے؟ ایک سمجھدار و ہمدرد مزاج وزیر نے عرض کیا: حضور! معافی کی درخواست کررہا ہے اور قرآن کریم کی آیت وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ط [1] پڑھ رہا ہے، یہ سن کر بادشاہ نے اسے درگزر کردیا؛ ایک اور وزیر دربار میں موجود تھا، اس نے کہا: ہم بادشاہ کے وفاداروں اور نمک خواروں کو بادشاہ کے سامنے غلط بیانی نہیں کرنی چاہئے، صحیح بات یہ ہے کہ یہ شخص آپ کو گالیاں دے رہا تھا؛ بادشاہ نے اس بات کو پسند نہ کیا اور کہا: تیرے سچ سے ـــــ جو کسی کو نقصان پہونچانے والا ہے ـــــ اس شخص کا جھوٹ مجھے زیادہ پسند آیا کیوں کہ وہ کسی کو نفع پہونچانے کا سبب تھا۔

شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اسی لئے عقل مندوں کا مقولہ ہے کہ حکمت و مصلحت کے تحت کہا گیا جھوٹ فتنہ فساد کے لئے بولے گئے سچ سے بہتر ہے؛ جس شخص کا یہ مقام ہو کہ حاکم اس کی بات کا اعتبار کرتا ہو تو اسے اس اعتبار کے ذریعہ مخلوق کو نفع پہونچانا چاہئے، اس کا غلط استعمال نہیں کرنا چاہئے۔

[1] (اللہ کے نیک بندے) غصے کو پی جانے والے اور لوگوں کو درگزر کرنے والے ہوتے ہیں۔

یہ عاجز کہتا ہے:

مقولہ مشہور ہے ''بھلا کر و بھلا ہو گا'' آدمی کی فطرت میں اگر سعادت وشرافت کا جوہر ہوتا ہے تو اس کا دل ودماغ حرکات وسکنات سب اس سعادت وشرافت کی دلیل بن جاتے ہیں، ذہن خود ہی انسانیت نوازی کی طرف چلتا ہے، اس کے برخلاف اگر کسی کی فطرت میں شرارت اور مکر ودجل اس کی شرافت اور جذبہ خیر پر غالب رہتا ہے تو اس کے دل ودماغ اعضاء وجوارح سب شرارت کی طرف مائل رہتے ہیں، غیر تو غیر ایسے آدمی کی شرارتوں اور مکر وفریب سے اپنے بھی محفوظ نہیں رہ پاتے اور جدھر جاتا ہے ہٹو بچو ہی دیکھتا ہے، اس لئے سالکین کو چاہئے کہ ہو سکے تو ہر ایک کا بھلا کریں ورنہ کم از کم اپنے ضرر سے تو دوسروں کو محفوظ رکھیں؛ حدیث شریف میں اس شخص کو بہترین انسان کہا گیا جو لوگوں کو نفع پہونچاتا ہے۔

(۲۵)

بدخصال لوگوں سے اچھی توقع نہ رکھنی چاہئے

ایک علاقے میں چوروں اور لٹیروں کے ایک مضبوط گروپ نے پہاڑوں کے اوپر اپنے لئے ایک محفوظ مقام بنالیا تھا، راستوں میں آکر قافلوں کو لوٹتے اور سازوسامان وہیں لے کر چلے جاتے تھے، یہ جگہ ایسی بلند اور محفوظ تھی کہ پولیس وغیرہ کی رسائی وہاں تک ہونا بہت مشکل تھا، جو جانے کی کوشش کرتا وہی پکڑا جاتا؛ بہر حال حکومت کے کارندوں نے منصوبہ بنا کر ایک حکمت عملی سے ان لوگوں پر چھاپہ مارا، اور سب کو پکڑ کر دست بستہ بادشاہ کے حضور پیش کر دیا، بادشاہ نے ان سب کو قتل کر دینے کا حکم دے دیا، ان لٹیروں میں ایک نوجوان ایسا بھی تھا جو بہت خوبصورت تھا، صورت شکل سے عقل منداور نہایت سمجھ دار معلوم ہوتا تھا؛ ایک وزیر کو اس پر رحم آیا تو اس نے اس بادشاہ سے اس کی جان بخشی کی یہ کہہ کر سفارش کی کہ ابھی یہ نوعمر ہے، اچھے گھرانے کا معلوم ہوتا ہے، ان لوگوں کی صحبت میں بگڑ گیا

ہوگا اگر اس کی اچھی تربیت کی جائے اور بہتر ماحول میں رکھا جائے تو اصلاح و درستی ہی کی نہیں بلکہ بہت کارآمد ثابت ہونے کی اس سے توقع ہے؛ بادشاہ نے وزیر کے اس خیال سے اختلاف کیا اور کہا: بدفطرت کو خوش خصال بنانے کی آرزو کرنا حماقت ہے، نااہل و نالائق لوگوں کو لائق بنانے کی تمنا گنبد پر اخروٹ روکنے کی تمنا ہے؛ مگر وزیر نے اپنی سفارش جاری رکھی اور رہائی کا اصرار کرتا رہا، بادشاہ نے کہا: ٹھیک ہے اس کی جان بخشی کر کے تمہارے ہی حوالے کرتا ہوں، تم ہی اپنی تحویل و تربیت میں لے جاؤ، چنانچہ وزیر اس کو اپنے گھر لے گیا اور اولاد کی طرح رکھ کر اس کی اچھی تربیت کا انتظام کیا، چند ہی دنوں میں یہ نوجوان بہت قابل اور لائق بن گیا، ایک دن وزیر نے اس لڑکے کی دانائی، علم و ہنر اور فن و کمال کی بادشاہ کے سامنے تعریف کی تو بادشاہ نے پھر بھی قبول نہ کیا، ہنس کر کہا: بھیڑیے کا بچہ بڑا ہو کر بھیڑیا ہی رہتا ہے چاہے وہ آدمیوں کے ساتھ کیوں نہ پرورش کیا گیا ہو؛ مختصر یہ کہ جب یہ نوجوان اس گھر کے ناز و نعمت میں پل کر اور بڑے بڑے اساتذہ کی تعلیم و تربیت میں ڈھل کر خوشگوار اور معزز زندگی گذار رہا تھا تب ڈاکوؤں کی ایک ٹولی نے اس سے خفیہ تعلقات قائم کر لئے، بالآخر اس نوجوان نے ایک دن وزیر کو قتل کرا کے اور تمام خزائن و دولت ڈاکوؤں کے ذریعہ لٹوا کے خود بھی گھر سے بھاگ گیا، اور چوروں کا امیر بن کر ان کے گروہ میں جا ملا؛ بادشاہ کو جب معلوم ہوا تو وزیر کی نادانی پر بہت افسوس کیا۔

شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

خراب لوہے سے اچھی تلوار کیسے بنائی جا سکتی ہے؟ نالائق آدمی تربیت سے لائق نہیں بن جاتا، دیکھو بارش تو اپنی ذات میں نفع بخش اور حیات آفرین ہے مگر یہ زمینوں کے فرق کی بات ہے کہ بارش کسی جگہ پھول اور سبزہ اگاتی ہے اور کسی جگہ خس و خاشاک ؛ ابر اگر آبِ حیات بھی برسائے تو بید کی چھڑی شکر کا گنا نہیں بن سکتی، پس معلوم ہوا کہ بروں کے

ساتھ بھلائی کرنا بھلوں کے ساتھ برائی کرنے کے مترادف ہے۔

یہ عاجز کہتا ہے:

حکایت کا حاصل یہ ہے کہ بدنصیب آدمی ہزار کوشش سے بھی سعادت وشرافت کا اہل نہیں ہو پاتا؛ یعنی اس کا یہ مطلب نہیں کہ توبہ وتربیت کے ذریعے سے بھی آدمی بدکاری سے نکل کر نیکوکار نہیں بن سکتا، دوسروں کے چاہنے اور خود کے چاہنے میں بہت بڑا فرق ہے، آدمی کے دل میں توبہ اور اصلاح حال کا داعیہ منجانب اللہ پیدا ہوتا ہے، ایسے وقت میں نفس وشیطان مایوسی کے وساوس پیدا کرتے ہیں، اس لئے جب بھی دل میں توبہ وتربیت کا داعیہ پیدا ہو فوراً کسی اللہ والے سے تعلق قائم کرکے اس کے مشورے کے مطابق اصلاحِ حال کی سعی شروع کر دینا چاہئے، ایک دن کام ضرور بنے گا، اہل اللہ آدمی کو منفی صلاحیتوں کا مثبت استعمال سکھا کر انہی عادتوں کو کارگر بنا لیتے ہیں؛ ہاں! جب کسی کی فطرت میں شقاوت غالب ہوتی ہے تو خود اسی کا ارادہ نہیں ہوتا، اب دوسرا ہزار کوشش کرکے اس کا کیا بھلا کر سکتا ہے؟ جیسا کہ مذکورہ حکایت میں ہوا۔

(۲۶)

بڑوں کو بہت احتیاط سے رہنا چاہئے

ایک مرتبہ مشہور عادل بادشاہ نوشیرواں شکار کے لئے نکلا، شکارگاہ میں اس کے لئے کباب تیار کئے جا رہے تھے، اتفاق سے سامان میں نمک نہیں آسکا تھا، خادموں نے کسی کو قریب کے گاؤں میں بھیجا کہ وہاں سے کچھ نمک لے آئیں، بادشاہ کو معلوم ہوا تو اس نے ہدایت دی کہ قیمت ادا کرکے لانا یونہی نہ لے آنا؛ خدام نے کہا کہ بادشاہ سلامت! تھوڑا سا نمک لینے سے کسی کا کیا نقصان ہوتا ہے جو آپ قیمت ادا کرنے کے لئے فرما رہے ہیں؟ بادشاہ نے کہا: اس لئے یہ ہدایت دے رہا ہوں کہ اگر ایسا نہ کریں گے تو غلط رسم پڑ جائے گی،

ظلم کی ابتداء معمولی باتوں ہی سے ہوتی ہے پھر اس میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔

شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اگر کسی کے باغ سے بادشاہ ایک سیب کھالیتا ہے تو اس کے نوکر چاکر پورا درخت ہی جڑ سے اکھاڑ لاتے ہیں، بادشاہ اگر دو چار انڈے ظلماً کھالے تو اس کے حاشیہ بردار ہزاروں مرغ سیخ پر چڑھا دیتے ہیں۔

یہ عاجز کہتا ہے:

بڑوں کی بے احتیاطی سے چھوٹوں کا بڑا نقصان ہوتا ہے، اگر بڑے رتبے والے لوگ مثلاً حکمران رعایا کے سامنے، ماں باپ اولاد کے سامنے، اساتذہ ومشائخ طلبہ اور مریدین کے سامنے، علماء عوام کے سامنے کوئی چھوٹی غلطی بھی اگر کرتے ہیں تو اس سے ان کے چھوٹوں میں جرأت پیدا ہوتی ہے اور وہ اس کے حوالے سے بڑی بڑی غلطیوں اور گناہوں کی ہمت کر بیٹھتے ہیں، اس لئے بڑوں کو چاہئے کہ وہ ایسے جائز امور سے بھی احتیاط کریں جو چھوٹوں کے ناجائز تک پہونچنے کا ذریعہ بن جاتے ہیں؛ سالکین کو بھی چاہیئے کہ وہ اس لطیف نکتے کا ہر موقع پر لحاظ رکھا کریں، خصوصاً جنہیں قیادت وامامت کا منصب حاصل ہے انہیں تو ایسے امور میں نہایت محتاط رہنا چاہئے۔

(۲۷)

ظلم کے انجام سے بے فکر نہ ہونا چاہئے

ایک وزیر سرکاری خزانے کو مضبوط کرنے کے لئے بے چارے عوام کا مال زبردستی وصول کر کے خزانہ بھرتا رہتا تھا، بادشاہ کو جب اس کی ان ظالمانہ حرکات کی اطلاع ملی تو اس نے اس وزیر کو عہدے سے برطرف کر کے گرفتار کروایا اور اس پر سخت قسم کی سزائیں جاری کیں؛ اتفاق سے ایک مظلوم نے اس کو سزاؤں میں گرفتار دیکھ لیا تو کہنے لگا ''منصب اور

عہدے کے غرور میں کمزور رعایا پر ستم کرنا عقل مندی نہیں ہے، سخت ہڈی حلق سے اتار لی تو جاسکتی ہے مگر یہ نہیں بھولنا چاہئے کہ وہ آنتوں کو پھاڑ کر نکلے گی۔

شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

جو شخص مخلوق کو خوش کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کو ناراض کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسی مخلوق کو اس پر مسلط فرمادیتے ہیں، یاد رکھو! تیز آگ سے لکڑیوں کا اتنا نقصان نہیں ہوتا جتنا نقصان مظلوم کی آہوں سے ظالموں کو ہوتا ہے؛ اگر اللہ تعالیٰ کے رحم کے مستحق بننا چاہتے ہو تو اس کی مخلوق پر رحم کرنا سیکھو۔

یہ عاجز کہتا ہے:

حدیث میں ہے: مظلوم کی بددعا سے بچو، کیونکہ اس کے اور اللہ کے درمیان کوئی آڑ نہیں، یعنی مظلوم کی بددعا فوراً قبول ہو جاتی ہے اور دیر سویر حسب مصلحت خداوندی اس کا ظہور بھی ہو کر رہے گا، یہ بھی حدیث میں آیا ہے کہ ظلم قیامت کے دن کا اندھیرا ہے، حدیثِ قدسی میں خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے؛ اے بندو! میں نے اپنے اوپر ظلم کو حرام کر لیا ہے یعنی میں کسی پر ظلم کرتا ہی نہیں ہوں، پس تم لوگ بھی ایک دوسرے پر ظلم سے باز آجاؤ، اس لئے راہِ خدا کے سالکین کو ہر قسم کے ظلم سے اپنے آپ کو محفوظ رکھنے کی فکر کرتے رہنا چاہئے۔

(۲۸)

بادشاہوں کو کرم اور عدل سے کام لینا چاہئے

ایک بادشاہ کی صحت خراب ہوگئی بہت علاج معالجہ کیا مگر کسی دوا سے شفا نہیں پاتا تھا، کسی حکیم نے تجویز کیا کہ ایسی ایسی صفات کا نوعمر لڑکا فراہم کیا جائے، اس لڑکے کے پتے کے ذریعہ اس بیماری کا علاج ممکن ہوگا، بادشاہ نے ایسے لڑکے کی تلاش کا حکم دیا، ایک دیہاتی کا بچہ حکیم کی بتائی ہوئی صفات کے مطابق مل گیا، اس کے ماں باپ کو بھاری رقم کی لالچ

دے کر بچے کو ان سے حاصل کر لیا گیا، قاضی نے بھی فیصلہ کر دیا بادشاہ وقت کی جان بچانے کے لئے ایک آدھ کی جان لینے میں کوئی حرج نہیں ہے؛ جب بچے کو دربار میں پیش کیا گیا اور اسے صورتِ حال کا پتہ چل گیا تو وہ آسمان کی طرف نظر اٹھا کر ہنسنے لگا، بادشاہ نے پوچھا: یہ ہنسنے کا کونسا موقع ہے؟ بچے نے کہا: اولاد کا ناز و اطمینان ماں باپ پر ہوتا ہے، انصاف قاضی سے طلب کیا جاتا ہے، اور رحم کی اپیل بادشاہ سے کی جاتی ہے، مگر میرے ماں باپ نے دولت و دینار کے عوض بیٹے کو بیچ دیا، قاضی نے بادشاہ کی زندگی بچانے کے لئے میرے خون کو حلال قرار دیدیا، بادشاہ تو خود مجھے مار کر اپنی صحت بنانا چاہتا ہے، اب میں جاؤں تو کہاں جاؤں اور مخلوق میں کس سے انصاف کی امید کروں؟ اس لئے اب سوائے اللہ تعالیٰ کے میرا کوئی سہارا اور مرکز امید نہ رہا، اسی لئے اس کی طرف دیکھ رہا ہوں کہ وہ کیا کرنا چاہتا ہے! بادشاہ کو بچے کی یہ حکیمانہ باتیں بھلی لگیں، اس کا دل بھر آیا، آنکھیں آبدیدہ ہوگئیں، کہنے لگا: یہ خود غرضی اچھی نہیں کہ اپنی صحت کی خاطر ایسے سمجھدار اور ہونہار بچے کی جان لی جائے؛ بچے کو قریب بلا کر اس کے سر کو بوسہ دیا، سینے سے لگایا اور جان بخشی کر دی؛ بادشاہ کی اس انصاف پسندی و عدل گستری پر اللہ کو ایسا پیار آیا کہ بادشاہ کو اسی ہفتہ اس مہلک بیماری سے صحت عطا فرمادی۔

شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ایک دفعہ دریائے نیل کے کنارے ایک ہاتھی والے نے مجھ سے کہا تھا کہ تمہارے نیچے دب کر کسی چونٹی کا جو حال ہو سکتا ہے ہاتھی کے نیچے دب کر تمہارا وہی حال ہو جائے گا۔

یہ عاجز کہتا ہے:

تمام بداخلاقیوں کی جڑ خود غرضی و خود پسندی ہے اور تمام اخلاق حسنہ کی بنیاد ایثار و انسانیت نوازی ہے، یہ بادشاہ اگر خود غرضی سے مغلوب ہو کر اس بچے کی جان لے لیا ہوتا تو

بھی کیا ضروری تھا کہ اس کی صحت ہو جاتی، بدنام اور گنہگار بھی ہوتا اور صحت سے بھی محروم رہتا، اگر صحت ہو بھی جاتی تو بھی دنیا میں ہمیشہ برائی سے یاد کیا جاتا، اور آخرت کے حساب سے سبکدوش ہونے کی تو کوئی صورت نہ ہوتی، توفیق الٰہی سے اس نے جب اپنے کو ظلم سے بچا لیا کہ چاہے جان چلی جائے مگر ظلم نہ کروں گا تو اللہ پاک نے اسے صحت بھی عطا فرمادی اور قیامت تک اس کا نام روشن کر دیا، بالفرض اس ایثار کے باوجود صحت نہ ملتی تب بھی نیک نامی اور رضائے الٰہی تو مل ہی جاتی، اور اس سے بڑی کیا دولت ہوسکتی ہے؟ اس لئے آدمی کو چاہئے کہ ہر قسم کے ظلم سے دور رہے، اپنی اغراض کے لئے دوسروں کو نقصان نہ پہونچائے، اپنی راحت کے لئے دوسرے کو مصیبت میں ڈالنے اور اپنی شہرت کے لئے دوسرے کو بدنام کرنے سے بچتا رہے۔

(۲۹)

بُرائی کے انجام سے خبردار رہنا چاہئے

ایک بادشاہ کا غلام گھر سے بھاگ گیا تھا، تلاش کرنے کا حکم دیا گیا، سپاہیوں نے کہیں پا لیا اور گرفتار کر کے دربار میں لے آئے؛ ایک وزیر کو اس غلام سے کچھ عداوت تھی اس لئے موقع غنیمت سمجھ کر اس نے بادشاہ کو رائے دی کہ اس کو قتل کر دینا چاہئے، تاکہ آئندہ کسی غلام کو ایسی گستاخی کی جرأت نہ ہوسکے؛ غلام نے جب وزیر کا یہ مشورہ سنا تو گھبرا گیا، اور فوراً بادشاہ کے سامنے زمین پر سر رکھ کے عرض کرنے لگا: آقا! آپ جو بھی حکم فرمائیں اس سے میں اپنے جرم کی وجہ سے انکار نہیں کرسکتا مگر چوں کہ میں ایک زمانے سے اس خاندان کے احسانات کے تحت پلا ہوا ہوں اس لئے یہ بات مجھے گوارا نہیں ہے کہ میں ناحق قتل ہو کر قیامت میں آپ کے مواخذہ کا سبب بنوں، اس لئے اگر آپ موقع دیں تو پہلے میں اس وزیر کو قتل کر دیتا ہوں پھر آپ اس کے خون کے بدلے میں مجھے قتل کروا دیں، تاکہ قیامت کے

دن ناحق خون کا وبال آپ کے سر نہ آئے؛ غلام کی اس بات پر بادشاہ کو ہنسی آ گئی، اس نے وزیر سے دریافت کیا: اب جناب کی کیا رائے ہے؟ وزیر کہنے لگا: حضور! بہتر یہی ہے کہ آپ اس کی جان خدا کے واسطے اور باپ کی قبر کے صدقے میں آزاد کر دیں، تاکہ یہ اپنے ساتھ مجھے بھی کسی بلا میں مبتلا نہ کر دے، غلطی میری ہی ہے کہ میں نے بلا وجہ اس کے معاملے میں مداخلت کر دی۔

شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

جب تم پتھر پھینکنے والے شخص کے ساتھ لڑائی کرو گے تو لازماً اپنا سر پھوڑ لو گے، اگر تم کسی کو اپنے تیر کا نشانہ بنانا چاہتے ہو تو یہ ذہن میں رہنا چاہئے کہ تم بھی اس کے تیر کے نشانے پر ہو۔

یہ عاجز کہتا ہے:

کہنے کو یہ ایک لطیفے کی سی بات لگتی ہے لیکن شیخ ؒ نے اکثر واقعات تیس سالہ سیاحت کے تجربات سے جمع کئے ہیں، اس لئے یہ کوئی سچا واقعہ ہی ہو، غرض! یہ واقعہ ہو یا لطیفہ اتنی بات تو اس سے سمجھ میں آجاتی ہے کہ "برا کرو گے تو برا ہو گا" حق تعالیٰ کا قانونِ مکافات ہر طرف عیاں ہے، جس طرف دیکھو یہی نقارہ ہے۔ "جیسی کرنی ویسی بھرنی ہے ضرور" یا "ہے یہ گنبد کی صدا جیسی کہو ویسی سنو" اور سب سے بڑھ کر حق تعالیٰ کا اعلان: مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا[1] بالکل واضح ہے؛ آدمی کو چاہئے کہ ہمیشہ حق و انصاف کی بات کرے، کسی کا بھلا کر سکتا ہے تو کرے یہ بڑی بات ہے، نہیں تو اتنا تو کرے کہ کسی کو اپنی طرف سے ضرر نہ پہونچائے۔

---

۱ جو شخص نیک کام کرے گا تو اپنے ہی نفع کے لئے کرے گا اور جو برا کام کرے گا تو اسی کا وبال اسی پر ہو گا۔

(۳۰)

ہر واقعے سے اچھا سبق لینا چاہئے

ایک عربی بادشاہ نے اپنے درباریوں سے کہا کہ فلاں شخص کے مرتبے اور وظیفہ میں اضافہ کردیا جائے کیوں کہ دربار میں پابندی سے حاضر رہتا ہے اور ہر حکم بجالاتا ہے، برخلاف دوسرے کارندوں کے کہ انہیں نہ حاضری کا اہتمام ہے نہ خدمت کا شوق، بس فضولیات میں لگے رہتے ہیں؛ بادشاہ کی یہ بات جب ایک اللہ والے نے سنی تو وجد میں آگئے اور نعرۂ مستانہ لگانے لگے، لوگوں نے اس کیفیت کی وجہ معلوم کی تو فرمایا: حق تعالیٰ کے ہاں بھی بندوں کے ساتھ یہی معاملہ ہوتا ہے کہ جو فریضۂ بندگی کی تکمیل میں صبح وشام لگے رہتے ہیں وہ ان سے راضی ہوکر قرب واجر سے مالامال کرتا رہتا ہے، اور جو بندے غافل رہتے ہیں وہ خود ہی محروم ہوتے ہیں۔

شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

دو چار دن کوئی آدمی بادشاہ کی خدمت میں حاضری دیتا ہے تو ایک نہ ایک دن وہ اسے عنایت ومحبت کی نظر سے دیکھ ہی لیتا ہے، اسی طرح اللہ پاک بھی اپنے مخلص ووفادار بندوں کو امید ہے کہ نامراد نہیں کرے گا اور خالی ہاتھ نہیں لوٹائے گا، جب فرماں برداری ہی ہر عقل مند کی نظر میں شرافت وبزرگی کی علامت ہے تو پھر نافرمانی وحکم عدولی یقیناً محرومی کی دلیل ہے، اسی لئے باعزت وباوفا غلام ہمیشہ خدمت کے لئے تیار رہتا ہے۔

یہ عاجز کہتا ہے:

جب دنیا کے کریموں کا یہ حال ہے تو خود ہی سمجھ لیں کہ اکرم الاکرمین اور ارحم الراحمین حق سبحانہ وتقدس کا اپنے وفادار بندوں کے ساتھ کیا معاملہ ہوگا، اہل اللہ رضائے الٰہی کے حصول کے لئے دن رات جو مجاہدات کرتے رہتے ہیں اور طاعات کے اہتمام اور

گناہوں سے اجتناب کے لئے راحت تو راحت جان کی بازی لگا دینے کو بھی آسان سمجھتے ہیں وہ یونہی تھوڑا ہی کر لیتے ہیں؛ حق تعالیٰ کے کرم کو دیکھتے رہتے ہیں اور شوق بڑھتا رہتا ہے کوئی حق تعالیٰ جیسے غفور و شکور سے وفا کر کے تو دیکھے۔

اس کے الطاف تو عام ہیں شہیدیؔ سب پر
تجھ سے کیا ضد تھی اگر تو کسی قابل ہوتا

(۳۱)

کمزوروں پر زیادتی سے بچنا

ایک ظالم شخص نے بستی میں اپنا دبدبہ قائم کر لیا تھا، کمزوروں پر ظلم و زیادتی اس کی عادت بن گئی تھی، غریب لوگوں کا سامان زبردستی چھین کر مالداروں کے ہاتھ فروخت کر دیا کرتا تھا، اس طرح ظلم کر کے بہت سی دولت اکٹھی کر لیا تھا، ایک اللہ والے بزرگ نے اس کو دیکھا تو تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا: تو سانپ ہے کہ جس کو دیکھا ڈس دیا یا اُلو ہے کہ جس آبادی میں بیٹھا ویران کر گیا؟ اپنی یہ حالت بدل اور مخلوق پر ظلم و جور کا یہ سلسلہ بند کر، ظالم کو ان کی یہ نصیحت گراں گذری اور اس نے منہ پھیر لیا۔

شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اے ظالم! تیرا زور ہم غریبوں پر چل سکتا ہے مگر خدائے قادر و توانا کے آگے ہرگز نہیں چل سکتا، دنیا والوں پر ظلم و زیادتی مت کر کہیں ایسا نہ ہو کہ کسی غریب کی آہ آسمان پر پہونچ جائے، غرباء کے دلوں کی آہوں سے بچتے رہو کیوں کہ ان کی ایک آہ ایک عالم کو جلا کر بھسم کر دینے کے لئے کافی ہے۔

یہ عاجز کہتا ہے:

حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حقوق العباد کی نزاکت کو بیان کرتے ہوئے

فرمایا: ’’خبردار میں کسی کو قیامت میں اس حال میں نہ دیکھوں کہ وہ اپنے اوپر اونٹ کو اٹھایا ہوا ہے جو چیخ رہا ہے اور وہ شخص مجھ سے کہے گا کہ یارسول اللہ! میری مدد کیجئے، میں کہوں گا: میں نے تو تمہیں اس انجام کی پہلے ہی خبر کردی تھی، مجھ سے امید نہ رکھو میں تمہاری کوئی مدد نہیں کرسکتا؛ اسی طرح کوئی شخص بیل کو اٹھا کر آئے گا، کوئی شخص بکری کو اٹھا کر لائے گا، کوئی شخص کپڑوں کا ڈھیر اٹھائے چلّاتا رہے گا، ہر ایک مجھ سے مدد طلب کرے گا اور سب کو میں یہی جواب دوں گا کہ مجھ سے آج کوئی توقع نہ رکھو، میں نے تمہیں دنیا ہی میں اس صورت حال سے آگاہ کردیا تھا؛ پس ہر آدمی کو چاہئے کہ وہ ہر ایک کے حق سے دنیا ہی میں سبکدوش ہوجائے اور کسی پر ظلم نہ کرے۔

(۳۲)

صرف اللہ تعالیٰ پر توکل واعتماد کرنا چاہئے

ایک اللہ والے بزرگ مخلوق سے کٹ کر کسی صحرا میں تنہا زندگی گذارتے اور یادِالٰہی میں مشغول رہتے تھے، اتفاق سے بادشاہِ وقت کا ادھر سے گذر ہوا، ان بزرگ نے اپنے کام سے کام رکھا اور بادشاہ اور اس کے حشم وخدم کی طرف ذرا بھی توجہ نہ دی، بادشاہ کو غصہ آیا اور کہنے لگا یہ درویش لوگ حیوانوں کی زندگی گذارتے ہیں، انہیں کچھ تہذیب وتمیز نہیں ہے؛ وزیر نے بادشاہ کی ناراضگی دیکھ کر ان کو تنبیہ کی اور کہا کہ تمہیں عقل نہیں ہے؟ بادشاہ سلامت کو دیکھ کر اٹھ کھڑے ہونا چاہئے اور آدابِ شاہی کے مراسم بجالانا چاہئے؛ ان بزرگ نے فرمایا: بادشاہ سے کہہ دو کہ خدمت وادب کی اس سے توقع رکھے جو اس سے دولت ونعمت کی توقع رکھتا ہے، یہ بھی بتادو کہ بادشاہ رعایا پروری کے واسطے ہوتا ہے مگر رعایا بادشاہ کے پیچھے پھرنے کے واسطے نہیں ہوتی؛ بادشاہ نے جب یہ جواب سنا تو اس کو یہ بات بھلی اور اچھی معلوم ہوئی، خود ان بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا: مجھ سے کچھ طلب کیجئے عطا

کروں گا، فرمایا: یہی چاہتا ہوں کہ دوبارہ میرے اوقات خراب نہ کریں، کہنے لگا: کچھ نصیحت کیجئے! فرمایا: اب جب کہ ملک ومال تیرے قبضے میں ہے آخرت کمالے، کیوں کہ یہ ملک ودولت کسی ایک کے پاس کبھی نہیں رہتی بلکہ ہاتھ سے ہاتھ منتقل ہوتی رہتی ہے۔

شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

جس طرح چرواہے بکریاں چرانے اور ان کی حفاظت کرنے کے لئے ہوتے ہیں مگر بکریاں چرواہے کی خدمت کے واسطے نہیں ہوتیں؛ اسی طرح بادشاہ رعایا کی حفاظت وفکر کے واسطے ہوتا ہے، جب کہ رعایا اس کی خدمت کے واسطے نہیں ہوتی؛ اہل دنیا کا حال یہ ہے کہ اگر کوئی کامیاب وبامراد ہے تو کوئی مایوس ونامراد ہے، مگر غور کرو کہ کامیابی ہو یا نامرادی یہ رہے گی کب تک؟ زیادہ سے زیادہ موت تک رہے گی، جب موت آجاتی ہے تو کامیاب وناکام سب برابر ہوجاتے ہیں، شاہی وگدائی کا فرق ختم ہوجاتا ہے، کسی قبر کو کھود کر دیکھو تو یہ تمیز نہیں کرسکو گے کہ مالدار کی لاش ہے یا محتاج کی۔

یہ عاجز کہتا ہے:

توکل علی اللہ کی دولت جس کو نصیب ہوجاتی ہے اور جسے اللہ کی ذات سے ہونے کا یقین حاصل ہوجاتا ہے اس کے نزدیک مخلوق کی حیثیت مچھر کے پر کے برابر بھی نہیں ہوتی، اس کے ضمیر کی آواز ہوتی ہے کہ ؎

مجھ کو جینا ہی نہیں بندۂ احسان ہو کر

اہل اللہ نے فقر وفاقہ کو بادشاہوں کے احسان پر ترجیح دی اور یاد الٰہی کی لذت کو دولت مندوں کے ہاں باریابی سے غنیمت مانا ہے[1]، سلطان الاولیاء حضرت نظام الدینؒ کو

---

[1] یاد رہے کہ امراء وسلاطین کی چاپلوسی اور تملق الگ چیز ہے جو کہ مذموم ہے اور اپنے حکم رانوں اور صاحب مرتبہ لوگوں کا احترام واکرام اور چیز ہے جس کا ہمیں حکم دیا گیا ہے۔ گر فرقِ مراتب نہ کنی زندیقی!

بادشاہ نے سجدۂ تعظیمی پر مجبور کیا تو دہلی سے نکل گئے اور ایک جنگل میں جسے اب نئی دہلی کہتے ہیں جا کر بس گئے، وہاں بھی اس نے قاصد بھیج کر دھمکی دلوائی تو فرمایا: بادشاہ سے کہو کہ اپنی بادشاہی میں خوش رہے ہم فقیروں کا پیچھا چھوڑ دے ورنہ ہم بادشاہ بدل لیں گے؛ سالکین کو چاہئے کہ نہ مخلوقِ خدا کو حقیر سمجھیں اور نہ ہی اُن سے امید وبیم رکھیں، ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے لَو لگائے رکھیں اور ہر ضرورت میں اسی سے رجوع کریں۔

خدا کی یاد میں بیٹھے جو سب سے بے غرض ہو کر
تو اپنی نظر میں ٹوٹا بوریا بھی تختِ سلیمان تھا

(۴۴)

ہر وقت حق تعالیٰ سے امید وبیم کی حالت میں رہنا چاہئے

ایک وزیر ـــــ جو بادشاہِ وقت کا مقرب تھا ـــــ حضرت ذوالنون مصریؒ کے پاس آ کر کہنے لگا: دن رات بادشاہ کی خدمت میں اس کی مہربانیوں کی امید اور اس کی خفگی و ناراضگی کے خوف کے ساتھ حاضر رہتا ہوں، کسی وقت اطمینان وسکون نہیں رہتا، حضرت ذوالنونؒ رونے لگے اور فرمایا: اگر میرا حال اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسا ہو جاتا جیسا تیرا بادشاہ کے ساتھ ہے تو میں اولیاء صدیقین میں شامل ہو جاتا۔

شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

درویش اگر اچھے برے کا غم اللہ تعالیٰ کے حوالے کر کے بے فکر ہو جائے تو اس کا مقام آسمانوں سے بلند ہو جائے، اگر وزیر اللہ تعالیٰ سے ایسا ڈرتا جیسا کہ بادشاہ سے ڈرتا ہے تو وہ مَلِک تو کیا مَلَک یعنی فرشتہ بن جاتا ہے۔

یہ عاجز کہتا ہے:

حدیث میں ہے کہ ایمان خوف ورجا کے درمیان ہے، یعنی بندے کو چاہئے کہ اللہ

تعالیٰ کی ناراضگی کے خوف سے اس کی بندگی کرتا رہے اور اپنی کوتاہیوں کے بارے میں اس کی رحمت سے عفوودرگذر کی امید رکھے، کرتا بھی رہے ڈرتا بھی رہے، اسی کشمکش میں زندگی پوری کرلے تو انشاء اللہ ناکام نہ ہوگا، اب سالکین کا حال یہ ہے کہ کبھی مایوس ہوکر بندگی چھوڑ دیتے ہیں کبھی امیدوار ہوکر نافرمانیوں پر جرأت کرنے لگتے ہیں ایسا نہ ہونا چاہیے بلکہ ہر وقت رضائے الٰہی کے غم سے مغموم اور محزون رہنا چاہیے۔

شکر ہے دردِ دل مستقل ہوگیا
اب تو شاید میرا دل بھی دل ہوگیا

(۳۴)

عدول وانصاف کا دامن کبھی نہ چھوڑنا چاہیے

ہارون رشید بادشاہ کا بیٹا ایک دن دربار میں روتا ہوا آیا، اور کہنے لگا: کہ فلاں جمعدار کے بیٹے نے مجھے ماں کی گالی دی ہے، بادشاہ نے درباریوں کی طرف متوجہ ہوکر پوچھا کہ ایسے شخص کی ـــــ جو شہزادے کو گالی دے ـــــ کیا سزا ہونی چاہیے؟ اس کے جواب میں کسی نے قتل کا مشورہ دیا اور کسی نے شہر بدر کردینے کی صلاح دی؛ سب کے مشورے سننے کے بعد ہارون رشید نے اپنے بیٹے کو مخاطب کرکے کہا: بیٹا! شرافت اور بڑائی تو یہی ہے کہ تم اس کو معاف کردو، اور اگر تم سے معاف کرنا مشکل ہو تو تم بھی اسے ماں کی گالی اسی طرح دو کہ اس کی گالی سے زیادہ نہ ہونے پائے، ورنہ زیادتی تمہاری طرف ہوجائے گی تو تم ظالم اور وہ مظلوم کہلائے گا۔

شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

عقلمندوں کے نزدیک وہ شخص بہادر نہیں ہے جو غضبناک ہاتھی سے مقابلہ کرے، بلکہ بہادری ومردانگی حقیقت میں یہ ہے کہ آدمی غصے کی حالت میں اپنی زبان پر قابو رکھے۔

یہ عاجز کہتا ہے:

حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَجَزٰٓؤُا سَیِّئَۃٍ سَیِّئَۃٌ مِّثْلُھَا ۚ فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُہٗ عَلَی اللّٰہِ ؕ یعنی برائی کا بدلہ اتنی ہی برائی ہو سکتا ہے، اور اگر کوئی شخص درگذر کر دے اور صلح کر لے تو پھر اس کو اجر دیکر خوش کرنا اللہ تعالیٰ کی ذمہ داری ہے، اور یہ اجر بسا اوقات دنیا میں بھی نظر آجاتا ہے لیکن اگر دنیا میں نہ بھی ملے تو آخرت میں بہر حال مل کر رہے گا؛ عام طور سے چھوٹے چھوٹے معاملات کا نزاع و اختلاف سالکین کی جمعیتِ خاطر کو متاثر کر دیتا ہے، اور جب دل و دماغ منتشر ہوتے ہیں تو بندگی ہی کا نہیں زندگی کا لطف بھی ختم ہو جاتا ہے، عفو و درگذر کے ذریعے ذہن کو فارغ اور دل کو مطمئن رکھنا ہر شخص خصوصاً سالکین کے حق میں بڑے کام کی چیز ہے۔

کرو مہربانی تم اہلِ زمیں پر
خدا مہرباں ہوگا عرش بریں پر

(۳۵)

مکافاتِ عمل سے نڈر نہ ہونا چاہئے

ایک دفعہ میں چند دولت مند لوگوں کے ساتھ دریائی سفر پر تھا، ہمارے سامنے ایک چھوٹی سی کشتی اچانک پانی میں ڈوب گئی، دو بھائی اس میں سوار تھے وہ بھنور میں پھنس گئے، ایک ساتھی نے ہماری کشتی کے ملاّح سے کہا: ان بھائیوں کو ڈوبنے سے اگر تم بچالو تو میں ہر ایک کے عوض پچاس دینار دوں گا؛ ملاّح دریا میں کودا اور ایک کو بچا کر لایا، اس میں اتنی دیر لگی کہ دوسرا ڈوب کر مر گیا، میں نے کہا: اُس کی زندگی ختم ہوگئی تھی اِس کی باقی تھی، اس لئے تم نے اسے پہلے نکالا، ملاّح کہنے لگا: یہ بات تو اپنی جگہ ٹھیک ہے مگر اس کی ایک اور وجہ بھی ہے، وہ یہ ہے کہ جس کو میں نے جلدی کر کے بچا لیا اس نے میرے ساتھ ایک مشکل گھڑی میں مدد

کا معاملہ کیا تھا، اور وہ جو دوسرا تھا اس کے ہاتھ سے میں ایک دفعہ پٹ گیا تھا، اس لئے میرا میلان پہلے اس کو بچا لینے کی طرف ہوا؛ میں نے کہا: حق تعالیٰ نے بالکل صحیح فرمایا ہے: مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا[۱]۔

شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

جہاں تک ہو سکے کسی کا دل مت دکھاؤ، اس لئے کہ اس راستے میں کانٹے ہی کانٹے ہیں، اس کے بجائے غمزدہ اور پریشان حال غریبوں کے کام نکالا کرو، اس لئے کہ تمہارے بھی بہت سے کام تکمیل کے محتاج ہوتے ہیں، یعنی ان کی برکت سے تمہارے کام بھی نکلیں گے۔

یہ عاجز کہتا ہے:

اللہ تعالیٰ کا قانون مکافات عمل ہر جگہ عیاں ہے کہ آدمی دوسرے کے ساتھ جیسا کرے گا ویسا ہی پائے گا، کوئی شخص آج تک گیہوں بو کے جو نہیں کاٹا، پھول کے بجائے کانٹے نہیں توڑے، ہمیشہ آدمی کو یہ ذہن میں رکھنا چاہئے۔

جیسی کرنی ویسی بھرنی ہے ضرور

(۳۶)

غرور کے انجام سے ڈرتے رہنا چاہئے

بادشاہ ہارون رشید نے جب ملک مصر فتح کر لیا تو کہنے لگا: فرعون نے جس ملک اور اس کی نعمتوں سے مغرور ہو کر اللہ کے نبی سے سرکشی کی اور خدائی کا دعوی کر بیٹھا تھا وہ ملک میری نظر میں اتنا بے حیثیت ہے کہ میں اس کے تخت و تاج کا مالک آج ایسے شخص کو بناؤں گا جو انتہائی ذلیل ہو، چنانچہ اس نے اپنے غلاموں میں سے ایک انتہائی جاہل و نالائق حبشی غلام کو

---

[۱] جو شخص نیک کام کرے گا تو اپنے ہی نفع کے لئے کرے گا اور جو برا کام کرے گا تو اسی کا وبال اسی پر ہوگا۔

ملکِ مصر کا حاکم بنا دیا، اس کی بے عقلی و نادانی کا یہ حال تھا کہ ایک دفعہ کاشتکاروں کے ایک گروہ نے اس کے پاس آکر فریاد کی کہ ہم لوگوں نے کپاس کی کاشت کی تھی مگر بے وقت بارش ہوجانے سے پوری فصل کا نقصان ہوگیا، وہ کہنے لگا: تم لوگ کپاس کے بجائے ریشم کیوں نہیں بوتے کہ بارش سے نقصان نہ ہو؛ ایک اللہ والے نے اس کا یہ احمقانہ جواب سنا تو فرمایا: اگر روزی عقل وعلم کے تابع ہوتی تو دنیا میں جاہل سے زیادہ تنگ معاش کوئی نہ ہوتا؛ کم بخت بادشاہ وقت بن گیا مگر کپاس اور ریشم کا فرق تک معلوم نہیں۔

شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

واقعی مال و دولت آدمی کی ہوشیاری سے وابستہ نہیں ہے، اس کا تعلق آسمانی فیصلوں اور الٰہی تقدیروں سے ہوتا ہے، کیمیا گر یعنی پیتل کو سونا بنانے والا ناکامی کی وجہ سے غصے میں آکر مرجاتا ہے اور ایک بے وقوف ویرانوں میں خزانہ پاکر دولت مند ہوجاتا ہے، دنیا میں ہر طرف ایسا نظر آتا رہتا ہے کہ علم وعقل والے محتاج ہیں اور بے تہذیب و بے علم لوگ مالدار!

یہ عاجز کہتا ہے:

ہارون رشید علم پرور اور سمجھدار بادشاہ تھا، علماء وادباء کا قدرداں تھا، بہت بڑی مملکت کا خلیفہ تھا، ملک مصر بھی جب اس کی بادشاہت میں شامل ہوگیا تو وہاں گورنر مقرر کرنے کی بات آئی، اس کی غیرت اسلامی نے دنیا کو یہ دکھانا چاہا کہ فرعون نے أَلَيْسَ لِي مُلْكُ مِصْرَ وَهَٰذِهِ الْأَنْهَارُ تَجْرِي مِنْ تَحْتِي کہہ کر جس ملک کی ملکیت کے ناز پر أَنَا رَبُّكُمُ الْأَعْلَىٰ کا دعویٰ کردیا تھا اور وقت کے پیغمبر سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ٹکر لی تھی وہ ملک مجھ ایمان والے غلام محمد — صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم — کی نظر میں اتنی وقعت بھی نہیں رکھتا کہ کسی قابل آدمی کے حوالہ کروں، اسی غیرت اسلامی کی وجہ سے انہوں نے ملکِ مصر کا حاکم اپنے غلاموں میں سے بھی سب سے حقیر و نادان غلام کے حوالے کردیا تاکہ ہر فرعون مزاج کو عبرت ہو اور سبق سیکھے۔

(۴۷)

کمزوروں کی تذلیل وتحقیر نہ کرنی چاہئے

سکندر رومی سے ـــــ جو فاتح عالم تھا ـــــ کسی نے پوچھا کہ آپ نے اسباب وسائل کی کمی کے باوجود اتنے سارے ممالک کیسے فتح کر لئے، پچھلے بادشاہوں کے پاس اس سے زیادہ وسائل تھے مگر انہیں ایسی کامیابی کبھی نہ ملی؟ اس نے کہا: اللہ تعالیٰ کی توفیق سے میرا طرز عمل یہ رہا کہ جس ملک کو بھی میں نے فتح کیا وہاں کے باعزت لوگوں کی توہین نہیں کی، وہاں کی رعایا پر ظلم روا نہ رکھا اور پچھلے بادشاہوں کا برائی کے ساتھ ذکر نہیں کیا، ان کی تعریف کی ان کی اچھی باتوں کو ملک میں جاری رکھا، بلا وجہ تبدیل نہ کیا۔

شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

عقل مند لوگوں کے نزدیک وہ شخص بلند مرتبہ نہیں ہو سکتا جو پچھلے بزرگوں کا احترام نہیں کرتا ان کو برا بھلا کہتا ہے، آدمی کو معلوم ہونا چاہئے کہ مال و دولت، تخت و تاج اور اقتدار کی گرم بازاری پائیدار نہیں ہوتی وقتی چیز ہوتی ہے، تم نیک لوگوں کا نام بدنام مت کرو تا کہ تمہارا نام بھی ہمیشہ بھلائی سے یاد کیا جاتا رہے۔

یہ عاجز کہتا ہے:

یہ بڑے ظرف والوں کی جرأت ہوتی ہے کہ مخالف پر قابو پانے اور زیر کرنے کے بعد اس کی عزت و ناموس کو نقصان نہ پہونچائے، یہ حقیقت ہے کہ اگر عوام الناس کو ان کے حقوق مل جائیں اور ان کے پسندیدہ لوگوں اور وجاہت و مرتبہ والوں کو ذلیل نہ کیا جائے تو وہ اقتدار کے بدلنے سے متأثر نہیں ہوتے، کیوں کہ بہر حال وہ محکومی سے راضی ہیں؛ لیکن اگر ان کی حق تلفی ہوتی ہے اور ان کے بزرگوں کی رسوائی کی جاتی ہے تو وہ جان سے کھیلنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں، اس لئے حاکم اور صاحبِ اقتدار کو خواہ وہ کسی ملک کے اقتدار کا معاملہ ہو یا

کسی ادارے وجماعت کے اس حقیقت کے موافق عمل کرنا چاہئے اس سے خود اس کا اقتدار محفوظ ومضبوط ہوجاتا ہے۔

(۴۸)

ظاہر وباطن دونوں کو صالح رکھنا چاہئے

کسی بزرگ سے پوچھا گیا کہ تصوف کی حقیقت کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا: پہلے زمانے میں ایک طبقہ اہل اللہ کا ہوا کرتا تھا جن کا ظاہر تو پراگندہ مگر دل یکسو اور مطمئن ہوا کرتا تھا، آج کل صوفیاء کے نام سے ایک جماعت ہے جن کا دل پراگندہ ہے اور ادھر اُدھر بھٹکتا رہتا ہے جب کہ ظاہر میں وہ زاہد ومتوکل نظر آتے ہیں۔

شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اگر تمہارا دل ہر وقت ادھر اُدھر جاتا رہے گا تو تنہائی میں بھی جمعیت واطمینان کی شان پیدا نہیں ہوسکتی، اور اگر دل یکسو اور اللہ تعالیٰ سے لو لگائے ہوئے ہو تو ایسے شخص کو کھیتی باڑی، کاروبار اور مال ومنصب کے باوجود خلوت وتنہائی کا مقام حاصل ہوجاتا ہے۔

یہ عاجز کہتا ہے:

یعنی محض صوفیاء کی نقل کر لینے اور ظاہر کو سنوار لینے سے آدمی صوفی باصفا نہیں بن جاتا، تصوف وطریقت کی حقیقت قلب کو غیر اللہ سے فارغ کر کے یاد الٰہی میں مشغول رکھنا ہے، جہاں تک شریعت وسنت کا معاملہ ہے تو معلوم ہونا چاہئے کہ وہ اصل دین ہے اس کے بغیر تصوف کا تصور بھی باطل ہے، بزرگوں نے فرمایا ہے: طریقت بلا شریعت بے دینی ہے، شریعت بلا طریقت کم دینی ہے اور دونوں کو جمع کرنا کمال دین ہے، حضرت شیخ زکریاؒ نے تو تصوف کی حقیقت بہت ہی آسان انداز سے بتلائی ہے کہ اس کی ابتداء اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ یعنی نیت کی درستگی سے ہوتی ہے اور انتہا اَنْ تَعْبُدَ اللہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ یعنی "تم اس

طرح عبادت کرو کہ گویا تم اللہ کو دیکھ رہے ہو" پر ہوتی ہے؛ پس سالکین کو چاہئے کہ حُلیوں کے بنا لینے اور وضع وقطع کو سنوار لینے پر اکتفا نہ کر بیٹھیں، بلکہ صفائے قلب اور صلاحِ خُلق تک پہونچنے کے لئے اپنے اپنے مشائخ کی نگرانی میں مسلسل جدوجہد کریں۔

(۳۹)

سالکین کو خشک مزاج نہ ہونا چاہئے

ایک دفعہ میں حجاز کے سفر پر تھا، اہل دین نوجوانوں کی ایک جماعت میرے ہمراہ تھی، وقفے وقفے سے ہم میں سے کوئی محققانہ شعر کہہ دیتا، کبھی کوئی کچھ گنگنانے لگتا، اسی طرح مست ومگن سفر جاری تھا؛ ایک خشک مزاج عابد بھی ہمارے قافلے میں تھا جو صوفیاء کے احوال وکیفیات کا منکر اور ان کے احوال سے بے خبر تھا، راستے میں بنی ہلال کی آبادی آئی، جب وہاں پہونچے تو دیہات میں سے ایک حبشی لڑکا نمودار ہوا اور ایسی دل آویز اور سُریلی آواز میں کچھ گانے لگا کہ پرندے بھی سُن لیں تو زمین پر گر پڑیں، میں نے دیکھا کہ اُس لڑکے کی آواز سن کر عابد کا اونٹ وجد ورقص میں آ گیا اور ایسا مست ہوا کہ عابد سنبھل نہ سکا اور نیچے گر پڑا، اس کا اونٹ اسی مستی کی حالت میں جنگل کی طرف بھاگ گیا؛ میں نے کہا: اے شیخ! خوش الحانی نے جانور کو تو متاثر ومست کر دیا مگر افسوس کہ تم پر کوئی اثر نہ ہوا؟

شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ایک شب بیدار وخدا مست بندے نے مجھ سے کہا تھا: جو آدمی عشق سے بے خبر ہے وہ آدمی کہلانے کے قابل نہیں؛ اے ناداں! دل آویز آوازوں سے جانور تک مست ہو جاتے ہیں، اگر تجھے ذوق سلیم نصیب نہیں ہے تو تو جانوروں سے بھی بد تر ہے، غور کرو تو اللہ تعالیٰ کے ذکر سے ہر مخلوق مست نظر آئے گی مگر اس کو وہی سُن سکتا ہے جس کو گوشِ دل نصیب ہے، صرف بلبل ہی پھول پر چہچہا نہیں رہی ہر کانٹا اللہ کی تسبیح میں مشغول ہے۔

یہ عاجز کہتا ہے:

خشک مزاج اور بے ذوق آدمی دراصل مردہ دل ہوتا ہے، آدمی کہنے کے قابل بھی نہیں ہوتا، کیوں کہ آدمیت کے جوہر دل ودماغ ہیں، اوران کا کام عقل وعشق ہے، نری عقل مردہ دل اور نرا عشق کند ذہنی کی دلیل ہے، دل کا کام ہی کسی پر قربان ہونا ہے، الذین آمنوا اشد حبا للہ[1]؛ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ مجھے میرے والد نے وصیت فرمائی تھی کہ بیٹا! خشک مزاج اور بے کیف مولوی نہ بنو، جتنے بھی اولیاء اللہ ہیں وہ عقل وعشق کے جامع ہوتے ہیں؛ خود صحابۂ کرامؓ بھی جو معیار اسلام ہیں اس جامعیت کے مظہر کامل ہیں، حکیم الامت حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں: صحابۂ کرامؓ کا ایمان فلسفیانہ نہیں تھا عاشقانہ تھا، انہوں نے نبی ﷺ کی حقانیت کا تو عقل سے جائزہ لیا اوران کی اطاعت کے لئے عشق ومحبت کا سہارا لیا تھا؛ مختصر یہ کہ سالکین راہ طریقت کو چاہئے کہ باذوق وخوش مزاج دوستوں کے ماحول میں رہیں تا کہ طبیعت کی خشکی زہد وقناعت سے دوری کا سبب نہ بن جائے۔

(۴۰)

بیوی کا ممنونِ احسان نہ رہنا چاہئے

ایک مرتبہ میں دوستوں کے رویے سے دل برداشتہ ہوکر بستی سے باہر نکل گیا اور القدس کے جنگلوں میں جانوروں کے ساتھ دل بہلاتے ہوئے یکسوئی اور یاد الٰہی میں مشغول ہوگیا، اس زمانے میں طرابلس کی جنگ کی تیاریاں چل رہی تھیں، خندق کی کھدائی کا کام چل رہا تھا، عیسائیوں نے مجھے بھی گرفتار کرکے یہودی مزدوروں کے ساتھ خندق کی کھدائی میں لگا دیا؛ اتفاقاً وہاں سے ایک رئیس آدمی کا گذر ہوا جو مجھے پہلے سے جانتے تھے، انہوں نے جب میری

[1] ایسان والے اللہ تعالیٰ کی محبت میں پختہ ہوتے ہیں

جب میری یہ حالت دیکھی کہ مزدوروں کے ساتھ خندق کھودنے میں مشغول ہوں تو انہیں اچھا نہیں لگا، ذمہ داروں سے رابطہ کر کے دس درہم میں مجھے فرنگی قید سے آزاد کرالیا، مجھے اپنے ساتھ وطن لے گئے اور سو درہم مہر پر اپنی بیٹی کا مجھ سے نکاح کر دیا، کچھ دن تو وہ صحیح رہی اس کے بعد بدخلقی وزبان درازی کی اپنی صفت پر آگئی، یہاں تک کہ میں اس کی ان عادات سے بیزار ہو گیا؛ ایک دن ایسی ہی کوئی ناخوش گوار صورتحال پیش آگئی تو زبان درازی کرتے ہوئے مجھ سے کہنے لگی: تو وہی غلام تو ہے جسے میرے باپ نے دس درہم میں فرنگیوں سے خرید کر آزاد کرایا تھا، میں نے کہا: ہاں! دس درہم میں فرنگیوں کے ہاتھ سے خرید کر آزاد کیا اور سو درہم لے کر تیرے ہاتھ گرفتار کر دیا؛ مثال اس بکری کی ہوگئی جسے ایک شخص نے بھیڑیے کے قبضے سے چھڑا کر بچا لیا تھا، پھر جب شام ہوئی تو چھری لے کر اسے ذبح کرنے آیا، بکری نے بزبان حال کہا: اگرچہ تو نے ایک بھیڑئے کے پنجے سے مجھے بچا لیا مگر پتہ چلا کہ تو خود بھی بھیڑیا ہی ہے۔

شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

سنجیدہ وشریف آدمی کے ساتھ بداخلاق عورت کا جوڑ لگ جانا یقین مانو کہ اس دنیا میں اس کی دوزخ ہے، بُری بیوی سے اللہ تعالیٰ بچائے وَقِنَا رَبَّنَا عَذَابَ النَّار۔

یہ عاجز کہتا ہے:

قرآن کریم میں مرد کی عورت پر فضیلت کی دو وجوہات بیان کی گئی ہیں، ایک خلقت وقوت میں اس کا عورت سے افضل ہونا، دوسرے اپنے مال کا اس پر خرچ کرنا بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ [1] تجربہ یہ ہے کہ عورت جب اپنا یا اپنے باپ کا مال شوہر پر خرچ کرتی ہے یا شوہر عورت کے کسی بھی احسان سے ممنون ہوتا

ہے تو آدھی قوامیت یعنی حاکمیت اور بڑے پن سے محروم ہو جاتا ہے، زمانہ چاہے پرانا ہو یا نیا، صورتِ حال یہی تھی اور یہی ہے آج کل ہمارے ملک میں جو لوگ بھیک مانگ کر لڑکی والوں کے جو احسانات لیتے ہیں وہ نادان بالکل نہیں سوچتے کہ اس احسان کے بدلے وہ اپنی مردانگی اور بڑا پن بیوی کے پاس گروی رکھوا رہے ہیں۔

(۴۱)

ضرورت بھر معاش کا انتظام رکھنا چاہئے

ایک بادشاہ نے ایک عیال دار بزرگ سے پوچھا: تم صاحبِ اولاد ہو گذر بسر کیسے ہوتی ہے؟ کہنے لگے رات عبادت و مناجات میں گذرتی ہے، صبح دعائے حاجات میں ہوتی ہے اور دن سارا فکر اخراجات میں نکل جاتا ہے؛ بادشاہ نے اُن کے اس جواب سے معاشی تنگی کا اندازہ کرلیا اور حکم دیا کہ ان بزرگ کے لئے کچھ ماہانہ وظیفہ مقرر کردیا جائے تاکہ بیچارے معاشی فکروں سے کچھ آرام پاجائیں۔

شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

صاحب اولاد کو بے فکری اور فارغ البالی کا خیال دل سے نکال دینا چاہئے، اولاد کے مسائل گھر کے جھمیلے اور روزی روٹی کا غم انسان کو سیر ملکوت کی فرصت کہاں سے دے سکتے ہیں؟ ایسے آدمی کا حال یہ ہوجاتا ہے کہ دن بھر سوچتا رہتا ہے کہ رات کو اطمینان سے عبادت کرلوں گا اور جب رات ہوتی ہے اور نمازوں کی نیت باندھ لیتا ہے تو دھیان اسی میں لگا رہتا ہے کہ صبح بچوں کے کھانے کا کیا ہوگا؟

یہ عاجز کہتا ہے:

اہل وعیال کی دیکھ بھال اور ان کی ضروریات کی فکر فرائض اسلام کی بعد سب سے اہم

ل مرد عورتوں پر قوام وحاکم ہیں، اس فضیلت کی وجہ سے جو اللہ تعالیٰ نے بعض کو بعض پر (یعنی مرد کو عورت پر دی ہے اور اس لئے بھی کہ انہوں نے اپنا مال صرف کیا ہے۔

فریضہ اور بڑی عبادت ہے؛ اس میں کمزوروں یعنی عورتوں اور بچوں پر ترحم کا اجر بھی ہے، خدمتِ خلق کا اجر بھی ہے، حقوق العباد کی ادائیگی کا اجر بھی ہے، عبادات نافلہ میں کمی کے احساس کا مجاہدہ اور اس مجاہدے پر صبر کا ثواب بھی ہے؛ بشرطیکہ اس مصروفیت کا مقصد رضائے الٰہی اور اہلِ حقوق کے حقوق سے سبکدوشی ہو؛ اس کے باوجود بہت سے لوگ درویشی اس کو سمجھتے ہیں کہ بال بچوں کی فکر سے بے پروا ہو جائیں، کوئی عبادت میں مگن ہے، کوئی تبلیغ میں مصروف ہے، کوئی ذکر واذکار کے بہانے خانقاہوں میں پڑا ہوا ہے، اور بیوی بچے اہل خاندان کے رحم وکرم یا پڑوسیوں کے داد ودہش پر پل رہے ہیں؛ خوب سمجھ لینا چاہئے کہ دین خواہشات کی پیروی کا نام نہیں ہے دین تو احکام کے اتباع کو کہتے ہیں۔

(۴۲)

حرص وہوس سے بچنا چاہئے

ایک بادشاہ کو کوئی اہم مسئلہ پیش آگیا، اس نے منت مانی کہ اگر یہ کام آسانی سے حل ہو جائے تو اتنے درہم زاہدوں ـــــ یعنی تارک الدنیا ـــــ لوگوں میں تقسیم کروں گا، حسنِ اتفاق سے اس کا مسئلہ حسب منشاء حل ہو گیا، اس نے اپنے ایک غلام کو بلا کر درہموں کی ایک تھیلی حوالے کر کے اس سے کہا: یہ رقم زاہدوں پر صرف کر دے؛ غلام بہت چالاک تھا، دن تمام شہر میں گھومتا رہا اور شام کو درہموں کی تھیلی ویسے ہی واپس لے آیا، بادشاہ کے سامنے رکھ کر ادب سے عرض کیا: دن تمام زاہدوں کو ڈھونڈتا رہا مگر ایک زاہد بھی نہ ملا، بادشاہ نے کہا: یہ کیا بات ہے؟ جہاں تک مجھے معلوم ہے اس شہر میں چار سو زاہد موجود ہیں، کہنے لگا: جو زاہد ہیں وہ مال لیتے نہیں ہیں، جو لینے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں وہ زاہد نہیں ہیں؛ بادشاہ کو ہنسی آگئی، کہنے لگا: میں درویشوں اور زاہدوں کا جس قدر معتقد اور قدرداں ہوں اس کم بخت کو ان لوگوں سے اتنا ہی بیر ہے، مگر بات تو اسی کی حق ہے۔

شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

جو شخص اپنے آپ کو زاہد اور تارک الدنیا بھی کہتا ہے اور مال و دولت کا آرزومند بھی رہتا ہے تو وہ اپنے دعوے میں جھوٹا ہے ایسا شخص زاہد نہیں ہوسکتا جو ہوسِ دنیا رکھتا اور اس کا منتظر رہتا ہو۔

یہ عاجز کہتا ہے:

غلام نے اگرچہ قصداً ایسا کیا تھا مگر یہ قول بادشاہ کے حق اسی کی جانب تھا، یعنی زُہد اور ترک دنیا کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ مخلوق کے آستانوں اور ان کی نوازشوں پر سہارا کر کے بیٹھ رہیں اور کسب حلال کی فکر چھوڑ دیں؛ زہد کی حقیقت وہ ہے جو صحابہ کرام نے سمجھی تھی کہ وہ حضرات جب تک کوئی عذر واقعی نہ ہو خود کی کمائی سے ضرورتیں پوری کرتے تھے؛ سالکین کے دل میں دنیا کی محبت اور اس سے لگاؤ نہیں ہونا چاہئے، دنیا اور دنیا کی چیزیں کم ہوں یا زیادہ بلکہ ہوں یا نہ ہوں دل یادِ الٰہی اور آخرت کی تیاری میں لگا رہے، یہ نہیں کہ دل تو دنیا میں اٹکا ہوا ہو اور آدمی ترک اسباب کر بیٹھے ایسے زُہد سے تو وہ دنیاداری اچھی ہے جس کی وجہ سے آدمی مخلوق کا محتاج نہ رہے۔

(۴۳)

انعاماتِ الٰہیہ کا استحضار اور شکر کا اہتمام کرنا چاہئے

ایک درویش سفر کے دوران ایک ایسے علاقے میں پہونچا جہاں کا حاکم بہت شریف تھا، اور اہل علم وفضل کی مجالس جمائے رکھتا تھا؛ یہ لوگ علمی نکتے، فقہی بحثیں، ادبی شہ پارے اور ظرافت ولطافت کی باتیں حاکم کو سناتے رہتے تھے؛ یہ درویش صاحب بھی کسی طرح اس محفل میں پہونچ گئے، تھوڑی دیر کے بعد کسی نے اُن سے کہا: آپ بھی تو کچھ کہیں! درویش بیچارہ بھوکا پیاسا تھا اور طویل سفر کی وجہ سے بہت تھکا ہوا تھا، کہنے لگا: میں آپ لوگوں کی

طرح علم وفضل اور تہذیب وادب کا آدمی تو نہیں ہوں، البتہ حکم ہو تو ایک شعر پیش کر دیتا ہوں، لوگوں نے بڑی دلچسپی سے اور پوری طرح متوجہ ہو کر کہا: ضرور سنائیں! اس نے کہا: مجھ جیسا بھوکا کھانے کے دستر خوان پر ایسا ہی لگتا ہے جیسے غیر شادی شدہ آدمی عورتوں کے حمام پر ہوتا ہے، لوگوں کو اس کی انتہائی بھوک کا احساس ہوا، حاکم نے حکم دیا کہ اس کے لئے دستر خوان اور کھانا لایا جائے، جب کھانا آ گیا اور وہ درویش کھانے لگا تو حاکم نے کہا: تھوڑا انتظار کرلو، باورچی کوفتے تیار کر رہے ہیں وہ بھی آجائیں گے، درویش سر اٹھا کر ہنسا اور کہنے لگا: کوفتے (یعنی بھوک و پیاس کی مصیبت میں کٹے پسے ہوئے) کے لئے جو کی روٹی بھی کوفتے سے کم نہیں۔

شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے:

اس حکایت پر کچھ نہیں فرمایا ہے کیوں کہ مفہوم واضح ہے۔

یہ عاجز کہتا ہے:

اللہ تعالیٰ دن رات اپنی نعمتوں کا خوان بندوں کے لئے بچھائے رکھتے ہیں، ہم اس خوانِ نعمت سے جی بھر کھاتے ہیں اور اس کی نافرمانیوں میں مشغول رہتے ہیں؛ کبھی روٹی نہ ملے تو ہمیں ان نعمتوں کا احساس ہو، اسی لئے سال میں ایک ماہ کے روزے فرض کئے گئے کہ دن بھر خالی پیٹ رہ کر بندہ محسوس کرے کہ مالک کے اس پر کتنے احسان ہیں، بھوک پیاس کا وقت پر مٹ جانا کتنی بڑی نعمت ہے، آج جو تقریبات میں بے جا اور بے حساب روزی کا ضیاع ہو رہا ہے یہ اس بھوک کے احساس کا نہ ہونا ہی تو ہے، سالکین کو چاہئے کہ حق تعالیٰ کی نعمتوں کا ہمیشہ استحضار رکھیں اور ان کے شکرانے میں سمع وطاعت کی زندگی اختیار کرلیں۔

(۴۴)

حقوق العباد کا بہت دھیان رکھنا چاہئے

ایک مرید نے اپنے پیر سے شکایت کی کہ میں مخلوق کے ہجوم سے عاجز آ گیا ہوں، صبح سے شام تک ملاقاتیوں کا ایسا تانتا بندھا رہتا ہے کہ یکسوئی وتنہائی کا وقت ملنا مشکل ہوگیا ہے، جس کی وجہ سے معمولات واوقات ضائع ہورہے ہیں؛ پیر صاحب نے جواب میں انہیں مشورہ دیا کہ یہ جو آنے والے ہیں ان میں جو محتاج ہوں ان کو قرضہ دیدو اور جو مالدار ہیں ان سے قرضہ مانگو، اس کے بعد ایک بھی تمہارے گھر نظر نہ آئے گا۔

شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

لشکر اسلام کے آگے آگے بھیک مانگنے والوں کو رکھا جائے تو کفار ان بھکاریوں کے ڈر سے دیوار چین تک بھاگ جائیں گے، کہیں نظر نہ آئیں گے۔

یہ عاجز کہتا ہے:

بالکل صحیح بات ہے، مالداروں کے لئے سب سے بڑی مصیبت کسی کو قرض خواہ کو قرض دینا ہے اور غریبوں کے لئے قرض کا واپس کرنا بڑا بوجھ ہے؛ بالخصوص آج کل لوگ ضرورت پر قرض تو بآسانی مانگ لیتے ہیں لیکن واپسی کا ذرا احساس نہیں رہتا، جہلا جاہلانہ طریقوں سے اور پڑھے لکھے لوگ ماہرانہ حیلوں سے قرض دینے والے کو عاجز کر کے رکھدیتے ہیں، یہ بہت بری بات ہے، سوچنا چاہئے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم مقروض کی نماز جنازہ پڑھانے سے جو انکار فرماتے تھے تو آخر کیا سکھانا چاہتے تھے؟ حدیث میں ہے کہ قرض واپس کرسکنے والے کا ٹال مٹول سے کام لینا ظلم ہے، اسی وجہ سے علماء نے معاملات کی صفائی کو نوافل کی زیادتی پر مقدم رکھا ہے سالکین کو معاملات کی صفائی کا بڑا خیال رکھنا چاہئے؛ شیخؒ نے اس حکایت کے ذریعہ لوگوں کے غلط طرزِ عمل کی جانب اشارہ کر کے سبق سکھلانا چاہا ہے۔

(۴۵)

علماء سے بدگمان نہ ہونا چاہئے

ایک عالم نے اپنے والد سے کہا: یہ چیخ و پکار کر کے زوردار تقریریں کرنے والوں کی باتوں کا مجھ پر کوئی اثر نہیں ہوتا، اس لئے کہ میں ان کا کردار گفتار کے مطابق نہیں پاتا، دوسروں کو تو زہد و پرہیزگاری کا درس دیتے ہیں اور خود مال و دولت اکٹھی کرتے رہتے ہیں، جو لوگ خود ہی دنیا پرستی میں مبتلا ہو کر سیدھے راستے سے بہک گئے ہیں وہ دوسرے بھٹکے ہوؤں کی کیا رہبری کر سکتے ہیں؟ یہ سن کر ان کے والد نے کہا: بیٹا! محض اس وجہ سے ـــــ جو تم نے بتائی ہے ـــــ علماء سے دور ہو جانا اور واعظین کی باتیں سننا چھوڑ دینا اور اس طرح خود کو علم سے محروم کر لینا مناسب نہیں ہے، علماء کو بدعملی سے منسوب کرنے اور گناہوں سے معصوم علماء و مشائخ کی تلاش و انتظار میں رہنے کی مثال ایسی ہے جیسے ایک نابینا رات کے وقت کیچڑ میں گر گیا تو کہنے لگا، لوگو! چراغ تو لے آؤ! ایک خوش مزاج عورت نے سنا تو کہنے لگی تجھے چراغ ہی نظر نہیں آتا تو چراغ سے کیا نظر آ سکتا ہے؟ یاد رکھو! دینی مجالس کپڑے کی دوکان کی مانند ہوتی ہیں، جیسے وہاں پیسے کے بغیر کچھ نہیں خرید سکتے ایسے ہی دینی محافل میں عقیدت و ارادت کے بغیر کچھ نفع حاصل نہیں کر سکتے۔

شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

علماء کی باتیں دل کے کانوں سے سنا کرو، چاہے خود ان کا عمل اس کے موافق نہ ہو، یہ بات بالکل صحیح نہیں جو لوگ کہتے ہیں کہ سوئے ہوئے کو سویا ہوا کیسے جگا سکتا ہے؟ عقل مندی تو یہ ہے کہ عالم تو عالم ہے دیوار پر بھی اگر اچھی بات لکھی ہو تو اس سے عبرت حاصل کر لے، علماء کا تو بہت اونچا مقام ہے؛ ایک اللہ والے خانقاہ سے نکل کر مدرسہ میں آ گئے تھے، میں نے اس سے دریافت کیا کہ صوفیاء اور علماء میں تمہیں کیا فرق سمجھ میں آیا جس کی وجہ سے تم نے

صحبت بدل لی؟ انہوں نے جواب دیا: صوفیاء اپنی کمبل بچانے کی چکر میں رہتے ہیں اور یہ علماء ڈوبنے والوں کو بچانے کی فکر میں رہتے ہیں۔

یہ عاجز کہتا ہے:

حضرت حکیم الامتؒ فرماتے تھے: طبیب اگر بد پرہیزی کرتا ہے تو اس سے دوائی لینا اور علاج کرانا نہیں چھوڑتے کہ اس کی بد پرہیزی کا وبال اس پر ہے، ہمیں جب وہ صحیح نسخہ دیتا ہے تو ہمارا کام اس سے فائدہ اٹھالینا ہے؛ ایک دفعہ فرمایا: کسی عامی کا عالم پر تنقید کرنا مجھے سخت ناگوار ہے؛ حضرت حکیم اختر صاحبؒ فرماتے ہیں: علاج کے لئے کوئی یہ نہیں کہتا کہ حکیم اجمل خان نہیں رہے اب کس سے علاج کرائیں؟ البتہ اصلاح کے لئے کہتے ہیں کہ اب پہلے جیسے مشائخ کہاں ہیں؟ فلاں ایسا ہے فلاں ایسا ہے، اصلاح کرائیں تو کس سے کرائیں؟ ظاہر ہے کہ یہ حماقت تکبر وخود بینی کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے؛ اس لئے سالکین کو چاہئے کہ علماء ومشائخ کے عیوب اور کمزوریوں کی ٹوہ میں نہ رہیں، عیب سے خالی اور معصوم شیخ کو ڈھونڈتے رہیں گے تو عمر بھر کوئی نہ ملے گا، غالب احوال سنت وشریعت کے مطابق ہوں اور بڑوں نے ان پر اعتماد کیا ہو تو بس کافی ہے، ان سے فائدہ اٹھالیں، جو ایسا نہیں کرتا وہ دراصل خود ہی متکبر اور اپنی پارسائی کا دعویدار ہے۔

(۴۶)

عیب جوئی ونکتہ چینی سے دور رہنا چاہئے

کوئی آدمی راستے کے کنارے سو رہا تھا، نیند کی غفلت میں اس کا ستر کھل گیا تھا، ایک اور شخص وہاں سے گذرا تو کھڑے ہو کر اس کی بدحالی دیکھنے لگا، وہ شخص اچانک نیند سے بیدار ہوا تو اس حالت کا احساس ہوا، شرمندگی سے اس شخص سے کہنے لگا: **وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا** یعنی بری جگہ سے گذرنا ہو تو شرافت وشرم کے ساتھ گذر جایا کرو۔

شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اے پرہیزگارو! گنہ گاروں کو دیکھ کران کی تحقیر مت کرو، بلکہ عفو درگذر سے کام لیا کرو، میں بداخلاق وگنہ گارہی سہی تم تو اخلاق وکرم والے ہو، تم کیوں اپنی سطح سے نیچے گرتے ہو؟

یہ عاجز کہتا ہے:

شریف آدمی اسی کو کہتے ہیں جس کی طبیعت میں حیا غالب ہو، ایسا شخص کسی کے نہ دنیوی عیوب کو دیکھ پاتا ہے اور نہ دینی کمزوریوں کو، ہمیشہ اپنے عیوب پر نظر رکھتا ہے، بُرے مناظر پر گذرتے ہوئے اس کی آنکھیں خود ہی بند ہو جاتی ہیں، قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے ''جو لوگ اسلامی معاشرے میں بری چیزوں اور فحش باتوں کے پھیلنے کو پسند کرتے ہیں ان کے لئے دنیا وآخرت میں عذاب الیم ہے''۔ اس لئے سالک کو چاہئے کہ باحیا زندگی گذارے اور کسی کے عیوب کے پیچھے نہ پڑے۔

(۴۷)

ظاہر کے ساتھ باطن بھی صلحاء کا بنانا چاہئے

بدمعاشوں کا ایک گروپ ایک درویش کے پیچھے پڑ گیا اور مخالف ہو گیا، یہ لوگ ایک دن اس بے چارے کو پکڑ کر باہر لائے اور خوب پٹائی کی، برا بھلا کہا اور دل آزاری کی؛ اس درویش نے اپنے پیر صاحب سے شکایت کرتے ہوئے ناحق زیادتی کی صورت حال سنائی، پیر صاحب نے فرمایا: بیٹا! درویشوں کا یہ لباس جو تم نے پہن رکھا ہے یہ دراصل تسلیم ورضا کی علامت ہے، جو شخص درویشوں کی وضع تو اختیار کر لیتا ہے مگر نامرادی وناموافقی پر صبر کرنا نہیں جانتا تو ایسا شخص درویشی کا دعویدار تو ہو سکتا ہے حقیقت میں درویش نہیں ہوتا، بلکہ اگر دیکھا جائے تو یہ وضع اور یہ لباس ایسے شخص کے لئے استعمال کرنا ہی درست نہیں ہے، اس لئے جو کچھ تمہارے ساتھ پیش آیا تقدیر الٰہی کا ظہور سمجھ کر صبر کر لو اور راضی بہ رضا رہو، ان شاء اللہ

اسی میں خیر ہے۔

شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

تھوڑا پانی ایک آدھ پتھر مارنے سے گدلا ہوجاتا ہے، لیکن موجیں مارتا ہوا دریا ایک پتھر مارنے سے گدلا اور گندا نہیں ہوجاتا، جو درویش مخلوق کے ستانے سے تنگ دل و بے ہمت ہوجاتا ہے وہ ابھی تھوڑا پانی ہی ہے؛ ارے بھائی! اگر تمہیں کوئی تکلیف پہونچ جائے تو صبر و تحمل سے کام لیا کرو تاکہ اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے تمہارے گناہ معاف کر کے تمہیں پاک فرمادیں، جب ہمارا انجام بالآخر خاک ہوجانا ہے تو قبل اس کے کہ ہم خاک کردئے جائیں اپنے اختیار سے خاک ہوجائیں، یعنی تواضع اور فروتنی اختیار کرلیں۔

یہ عاجز کہتا ہے:

سالکین کو چاہئے کہ بُرے لوگوں کی تحقیر تو نہ کریں مگر ان سے محتاط اور دور رہنے کا اہتمام کریں، کیوں کہ عافیت اسی میں ہے، پھر بھی کبھی تقدیر الٰہی سے آدمی کو ایسی صورتحال کا سامنا ہوجائے کہ خواہ مخواہ بُرے لوگ اس کے درپے آزار ہوجائیں، نہ صلح کے لئے تیار ہوتے ہوں نہ کوئی نصیحت قبول کرتے ہوں تو پھر اس صورت حال کو آسمانی تربیت کا ایک حصہ سمجھ کر صبر سے کام لیں دل برداشتہ نہ ہوں، انشاء اللہ کام بنے گا، یا وہ لوگ خود نادم ہوں گے یا اللہ پاک ان سے انتقام لے گا۔

(۴۸)

غریبوں کو حقیر نہ سمجھنا چاہئے

ملک مصر میں دو امیر زادے —— یعنی دولت مندوں کے بچے —— آپس میں دوست تھے، ایک نے علم حاصل کرنا شروع کیا اور بڑا عالم بن گیا، دوسرے نے مال کی اتنی فکر کی اور اتنا بڑا مالدار بنا کہ مصر کا حاکم بن گیا؛ ایک عرصہ بعد اس مالدار کی اپنے عالم ساتھی

سے ملاقات ہوئی تو ان کو حقارت ونفرت کی نظر سے دیکھ کر کہنے لگا: میں حکومت کے تخت پر پہونچ گیا تم ابھی تک جہاں کے وہیں ہو، کوئی ترقی نہ کی؟ عالم صاحب نے بڑے اطمینان سے جواب دیا: جناب! اللہ تعالیٰ کے فضل واحسان کا شکر مجھ پر تم سے زیادہ لازم ہے کہ اس نے مجھے پیغمبروں جیسی عظیم ہستیوں کی میراث یعنی علم دین سے سرفراز فرمایا اور تمہیں فرعون وہامان جیسے محروم ومردود لوگوں کی میراث یعنی ملک مصر عطا فرمایا۔

شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

میں وہ چیونٹی تو ہوسکتا ہوں جسے لوگ پیروں میں روندتے ہیں مگر وہ زنبور نہیں بن سکتا جس کی ڈنک سے سب آہ وفغاں کرتے ہیں، میں کس طرح اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کروں کہ اس نے مجھے دوسروں کو ستانے اور ظلم کرنے کی طاقت نہیں دی اگرچیکہ کمزور وناتواں بنادیا ہے۔

یہ عاجز کہتا ہے:

کبھی غرور کا سر نیچا کرنے کے لئے علماء کو دنداں شکن جواب دینا پڑتا ہے، یوں ہر متکبر مغرور کے سامنے عجز ونیاز اختیار کرتے رہیں تو یہ مالدار لوگ علماء کو پیروں کی گرد سمجھنے لگیں گے، اسی لئے ان عالم صاحب نے مغرور حاکم کا جواب تُرکی بہ تُرکی دیا ورنہ اہل اللہ کا عام طور سے یہ مزاج نہیں ہوتا؛ حضرت شاہ ولی اللہؒ نے بادشاہ کے بھرے دربار میں متکبر وزراء کا دماغ ٹھکانے لگانے کے لئے اعلان فرمایا تھا: میرے پاس مال ودولت تو نہیں ہے لیکن سینے میں ایک دل رکھتا ہوں جو محبت الٰہی اور عشق نبوی کی دولت سے معمور ہے، کوئی ہے روئے زمین پر جو میری دولت کا مقابلہ کرسکتا ہو؛ پھر یہ بھی ذہن میں رہے کہ اس قسم کی جرأت مندانہ باتیں بناوٹی مدعیوں کی زبان سے رتّی برابر بھی اثر نہیں رکھتیں جب تک کہ کہنے والے کا خود ایمان ویقین اس کے مطابق نہ ہو، بہر حال! سالکین کو چاہئے کہ نعمتِ دین وایمان اور توفیق خیرات وحسنات کے مقابلے میں دنیا کی کسی دولت ومنصب کو ترجیح نہ دیں، ورنہ یہ ناقدری محرومی کے علاوہ کچھ نہ لائے گی۔

(۴۹)

زندگی خودداری کے ساتھ گذارنا چاہئے

ایک درویش کے بارے میں مجھے معلوم ہوا کہ فقر و فاقہ کی آگ میں جلتا اور پیوند پر پیوند لگا لگا کر کام چلاتا ہے، کسی نے اس کی حالت پر ترس کھا کر مشورہ دیا کہ کیوں اس تنگ حالی میں پڑے ہوئے ہو، شہر میں ایک سخی و کریم دولت مند آدمی ہیں جنہوں نے فقراء کی خدمت اور غرباء کی مدد کے لئے در سخاوت کھلا رکھا ہوا ہے، ان تک پہونچو اگر ان کو تمہاری اس صورت حال کا علم ہو جائے گا وہ تمہارا دل خوش کرنے اور ضرورت پوری کرنے کا موقع ہاتھ سے نہ جانے دیں گے؛ یہ سن کر درویش نے کہا: چپ رہو! ہمارے نزدیک تنگی و مفلسی میں مرجانا اپنی حاجت کسی مخلوق کے سامنے پیش کرنے کی ذلت سے بہتر ہے۔

شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ہم خشک روٹی اور پھٹے کپڑوں پر بخوشی قناعت اس لئے کرلیتے ہیں کہ مخلوق کے احسان کا بوجھ اٹھانے سے اپنی تنگی کا غم کھانا ہمارے نزدیک زیادہ آسان ہے؛ صبر و رضا کے گوشہ میں بیٹھ کر پیوند پر پیوند لگاتے رہنا کپڑوں کی مدد کے لئے حاکم کو خط لکھنے سے بہتر ہے، واقعی! کہنے والے نے سچ کہا ہے کہ پڑوسی کی مدد سے جنت میں جانا غیرت مند کی نظر میں جہنم میں جانے کے برابر ہے۔

یہ عاجز کہتا ہے:

مجھ کو جینا ہی نہیں بندۂ احساں ہو کر۔ عارفین کاملین اور مخلص زاہدین کا یہی حال ہوتا ہے، سالک کو چاہئے کہ اپنے مولا سے لو لگائے رکھے، اسی سے مانگنا اور لینا سیکھ لے، اس میں راحت بھی ہے عزت بھی، کوئی عمل کر کے تو دیکھے! ہم خواہ مخواہ جلد بازی کرتے اور مولائے کریم کے مخفی انعامات کا انتظار کر لینے کے بجائے مخلوق خدا کے احسانات کا ذلت آمیز بوجھ اٹھانے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔

(۵۰)

ہر کام میں اعتدال کا لحاظ رکھنا چاہئے

ایک عجمی بادشاہ نے ایک طبیب حاذق کو اہل مدینہ کی خدمت کے لئے مدینہ منورہ روانہ کیا، یہ طبیب دیارِ عرب میں چند سال تک رہا مگر اس کے پاس اس عرصے میں کوئی بھی شخص بیماری کی شکایت لے کر علاج کی غرض سے نہیں پہونچا، اس نے نبی کریم ﷺ سے آکر عرض کیا کہ اتنے عرصے سے میں اس علاقے میں آیا ہوں مگر کوئی شخص بھی میری طبی خدمات سے فائدہ نہیں اٹھاتا، آپ ﷺ نے فرمایا: اصل میں ان لوگوں کا حال یہ ہے کہ جب تک اچھی طرح بھوک نہیں لگتی کھانا نہیں کھاتے اور ابھی کچھ بھوک باقی رہتی ہے کھانے سے ہاتھ روک لیتے ہیں، یعنی بھوک سے پہلے نہیں کھاتے اور بھوک لگنے کے بعد بھی شکم سیر ہو کر نہیں کھاتے، حکیم نے کہا: اس علاقے کے لوگوں کی صحت وتندرستی کا سبب بس یہی عادت ہے۔

شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

سمجھدار آدمی اس وقت بولتا ہے جب نہ بولنے سے کسی نقصان کا اندیشہ ہو، اسی طرح کھانا اسی وقت کھاتا ہے کہ نہ کھانے سے ضعف وکمزوری کا خطرہ ہو، اس وجہ سے اس کی گفتگو حکیمانہ ہوتی ہے اور اس کا کھانا صحت افزا ہوتا ہے۔

یہ عاجز کہتا ہے:

روایت کا فنی معیار کیا ہے نہیں معلوم! مگر یہ بات طبی اعتبار سے بالکل صحیح ہے کہ بھوک کے بغیر کھانا اور بھوک میں بھی ٹھونس ٹھونس کے کھانا سوائے صحت خراب کرنے اور کچھ بھی نہیں ہے، اعتدال اور میانہ روی جہاں ہر امر میں خوب چیز ہے وہیں کھانے پینے میں بھی ضروری ہے، مولانا عمر پالن پوریؒ فرماتے تھے: عام طور سے جتنی خبریں موت کی آتی

ہیں ان میں سب کھا کر مرنے کی ہی ہوتی ہیں، شکر زیادہ کھا کر مرا، نمک زیادہ کھا کر مرا، زہر کھا کے مرا، یہ کھا کے مرا، وہ کھا کے مرا، نہ کھا کے مرنے کی خبر کہیں سے نہیں آتی؛ عقل مند کہتے ہیں: مضر چیزوں کو نہ کھا کے صحت مند رہنا کھا کے بیمار ہونے سے بہتر ہے، بے وقوف کہتے ہیں: کھانے کی حسرت لے کر مرنے سے کھا کے مرجانا بہتر ہے؛ سالکین کو چاہئے کہ عقل مندوں کی رائے اپنے لئے اختیار کریں اور بے وقوفوں کے خیال سے اتفاق نہ کریں۔

(۵۱)

سالک کو مجاہدے کی عادت بھی ہونی چاہئے

دو خراسانی درویشوں نے آپس میں دوستی کرلی، سفر وحضر میں ہر وقت ساتھ رہتے تھے، ایک صحت منداور توانا تھا روزانہ تین مرتبہ کھاتا تھا، دوسرا کمزور تھا وہ دن میں ایک مرتبہ کھاتا تھا؛ کسی سفر کے دوران ایک شہر میں پہونچے تو وہاں کی پولیس نے انھیں جاسوسی کے الزام میں گرفتار کرلیا اور ایک گھر میں قید کر کے دیوار چُن دی تاکہ یہ لوگ باہر نہ نکل سکیں؛ دو ہفتوں کے بعد پتہ چلا کہ یہ لوگ بے قصور ہیں ان کی کوئی غلطی نہیں ہے، جب ان کو رہا کرنے کے لئے گھر کھولا گیا تو دونوں میں سے جو طاقتور تھا وہ مردہ پایا گیا اور کمزور سلامت رہا؛ لوگوں کو تعجب ہوا کہ مرنا تو اس کمزور کو چاہئے تھا اور طاقت ور کو بچ جانا چاہئے تھا جب کہ اس کے برعکس ہوا، ایک حکیم —— یعنی سمجھ دار اور عقل مند آدمی —— کو معلوم ہوا تو اس نے کہا: اگر اس کے خلاف ہوتا تو تعجب کی بات تھی، اس میں کیا تعجب ہے؟ کیوں کہ زیادہ کھانے والا مسلسل بھوک کو برداشت نہ کرسکنے کی وجہ سے ہلاک ہوگیا، دو دن میں ایک دفعہ کھانے والے کو پہلے ہی سے بھوک برداشت کرنے کی عادت تھی اس لئے برداشت کرلیا اور بچ گیا۔

شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

جس کی عادت کم خوری کی ہوتی ہے اگر کوئی مشکل وقت آتا ہے تو آسانی سے سہہ لیتا

ہے اور جو شخص خوش حالی کے دنوں میں بے حساب کھاتا پیتا رہتا ہے خدانخواستہ کوئی مشکل وقت آجاتا ہے تو بے صبری سے ہلاک ہوجاتا ہے۔

یہ عاجز کہتا ہے:

ظاہر ہے کہ مرنے والا اگرچہ طاقت ور تھا مگر روزانہ تین مرتبہ کے حساب سے پندرہ دن میں مسلسل پینتالیس مرتبہ فاقہ کرنے پر مجبور ہوا جس کا اس سے تحمل نہ ہوسکا اور جان سے ہاتھ دھو بیٹھا، اس کے برخلاف جو زندہ رہ گیا وہ کمزور ہونے کے باجود اپنی عادت کے حساب سے پندرہ دن میں صرف سات مرتبہ فاقہ کیا جو اس کے لئے قابل تحمل تھا؛ حکایت کا حاصل یہ ہے کہ آدمی کو بسیار خوری اور تن پروری کا اتنا عادی نہیں ہونا چاہئے کہ مشکل وقتوں اور مصیبت کے دنوں کا مقابلہ نہ کرسکے؛ سالکین کو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں اگر اُنھیں میسر ہیں تو ضرور برتیں، حلال راحت ولذت حاصل کرنے میں کوئی تنگی نہیں ہے لیکن اپنے تن بدن کو مجاہدات ومشکلات سہارنے کا عادی بھی بنائے رکھیں۔

(۵۲)

حتی المقدور قرض وادھار سے بچنا چاہئے

واسط کے چند بزرگوں کے ذمے ایک بنیئے کا ادھار بہت بڑھ گیا تھا، بنیا روزانہ مطالبہ کرتا تھا مگر یہ لوگ ادائیگی کے موقف میں نہ تھے، اس پر بنیا انھیں سخت سست اور برا بھلا کہتا رہتا تھا، ان بیچاروں کے پاس معاشی مجبوری کی وجہ سے سوائے اس کی گالیوں کو سننے اور سخت کلامی کو بھگتنے کے اور کوئی چارہ نہ تھا، اس صورت حال سے عاجز ہوکر انہی میں سے ایک بزرگ نے فرمایا: نفس کو کھانا دینے کا وعدہ کرکے ٹالتے رہنا بنیئے کو پیسہ دینے کا اطمینان دلاتے رہنے سے بہتر اور آسان ہے۔

شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

دربانوں اور چوکی داروں کی جھڑکیاں سننے اور ان کی تحقیر وتذلیل کا سامنا کرنے سے مالداروں کا احسان چھوڑ دینا بہتر ہے، اسی طرح قصابوں کے بے ڈھنگے مطالبوں اور خلاف تہذیب باتوں کو سننے سے گوشت کھانے کی آرزو چھوڑ دینا زیادہ بہتر ہے۔

یہ عاجز کہتا ہے:

قرض وادھار واقعی ذلت کی چیز ہے، آدمی کے پاس یقینی وسائل ہوں اور وقتی طور پر کسی سے ہاتھ بدل کرلیں تو پھر بھی کوئی حرج کی بات نہیں کہ معاشرہ میں ایک دوسرے سے مدد لی جاتی ہے اور کرنی بھی چاہئے؛ لیکن کوئی یقینی اسباب بھی نہ ہوں اور ضرورت کا درجہ بھی نہ ہو بلکہ خواہش کا درجہ ہو تو پھر خواہش کو دبالینا اور قرض وادھار سے اپنے کو بچالینا ہی عقل وفہم کی بات ہے، اسی میں راحت ہے اور اسی میں عزت ہے؛ سالکین وصالحین کو تو بطور خاص اس کا خیال رکھنا چاہئے کہ اپنی کسی غفلت اور جھول وبھول سے اپنی عزت خاک میں نہ مل جائے۔

(۵۳)

عزتِ نفس کو پامال نہ کرنا چاہئے

تاتاری جنگ کے زمانے میں ایک غیرت مند سپاہی زخمی ہوگیا تھا، کسی نے اس کو مشورہ دیا کہ فلاں بنیے کے پاس نوشدارو (ایک دوا) ہے، طلب کرنے سے شاید دیدے گا، بہادر سپاہی نے کہا: اگر اس کنجوس سے دوا مانگوں گا تو دو میں سے ایک بات پیش آئے گی، ہوسکتا ہے کہ دیدے یہ بھی ہوسکتا ہے کہ نہ دے، اور اگر دے بھی دے تو ممکن ہے اس سے شفا ہوجائے یہ بھی اندیشہ ہے کہ اس سے شفا نہ ہو، بہر صورت ایسے خسیس وبخیل آدمی سے سوال کرنا میرے لئے خودکشی سے زیادہ گرانی وناپسندیدگی کی بات ہے۔

شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اگر بخیل کے دستر خوان پر روٹی کے بجائے سورج ہوتا تو قیامت تک کوئی شخص دن کی روشنی بھی نہ دیکھ سکتا، بخیلوں سے خوشامد کر کے کوئی چیز حاصل کرنے والا اپنے جسم کو بڑھاتا اور جان کو گھٹاتا ہے، اس لئے عقل مندوں نے کہا کہ اگر کوئی عزت کے بدلے آب حیات دینے کے لئے تیار ہو جائے تو عزت کے ساتھ مر جانا ذلت کے ساتھ جینے سے ہزار درجہ بہتر ہے۔

یہ عاجز کہتا ہے:

اللہ تعالیٰ سے چاہے ہزار بار مانگو لاکھ مرتبہ گڑگڑاؤ محرومی تو ہوتی ہی نہیں عزت بھی محفوظ رہتی ہے، اور مخلوق سے اگر ایک مرتبہ بھی مانگو تو مانگنے کی ذلت بہرحال ہے کام بنے نہ بنے اس کی کوئی ضمانت نہیں؛ اگر سالکین وصالحین اس حقیقت پر ہر وقت نظر رکھیں تو زندگی بھر خوش حال اور مسرور ومگن رہیں گے، نیز سب لوگ دوست ہوں گے کوئی حاسد ہوگا نہ دشمن!

(۵۴)

خدامِ دین کو فساق کا احسان مند نہ ہونا چاہیئے

مصر میں ایک مرتبہ شدید خشک سالی ہوگئی تھی، بارش نہ ہونے کی وجہ سے وہ گرانی وتنگی پھیلی کہ لوگوں سے برداشت کی طاقت ختم ہوگئی، انسان تو انسان ہر چھوٹا بڑا حیوان حیران وپریشان ہوگیا، ایسے زمانے میں ایک ہجڑے کے پاس ـــــ جو انتہائی بد اخلاق اور مکروہ افعال کا عادی تھا ـــــ بے حساب دولت جمع تھی، اس نے اس موقعہ پر خیر خیرات شروع کی، غرباء کی جی بھر مدد کرتا اور مسافروں کے لئے ہر وقت دستر خوان بچھائے رکھتا تھا؛ صوفیاء کی ایک جماعت ـــــ جو فقر وفاقہ سے عاجز ہو چکی تھی اور صبر کا دامن ان کے ہاتھ سے نکلا جا رہا تھا ـــــ ان کا بھی ارادہ ہوا کہ اس ہجڑے کے دستر خوان پر جا کر اپنی کچھ بھوک پیاس مٹالیں، انہوں نے اس سلسلے میں مجھ سے مشورہ کیا، میں نے ان کی رائے سے شدید اختلاف

کرتے ہوئے کہا: شیر اپنے غار میں بھوک سے مرجاتا ہے مگر کتے کا جھوٹا کھانا گوارا نہیں کرتا اس لئے آپ جیسے باوقار و دین دار لوگوں کے لئے بالکل مناسب نہیں ہے کہ اس بدنام و بدکار آدمی کے احسان مند ہوں۔

شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

جسم کو فقر و تنگی کی مصیبت میں مبتلا رہنے دو مگر ہاتھ کبھی کم ظرف آدمی کے آگے نہ پھیلاؤ، نا اہل آدمی ملک و مال میں وقت کا بادشاہ بھی بن جائے تب بھی اسے کچھ اہمیت نہ دو، بدشکل آدمی کی زیب و زینت ایسے ہی بے فائدہ ہے جیسے دیوار پر ہیرے جواہرات جڑنا بے کار ہوتا ہے۔

یہ عاجز کہتا ہے:

شریف آدمی شرفا کے احسان کا بوجھ بھی نہیں اٹھا سکتا تو ایسے خسیس ورذیل آدمیوں کی خیرات پر کیسے نظر رکھ سکتا ہے، کہتے ہیں کہ شیر بھوکا مر سکتا ہے مگر کتے کا جھوٹا نہیں کھا سکتا، کیا خدامِ دین اور راہِ خدا کے سالکین ایک باغیرت جانور سے بھی گئے گذرے ہو سکتے ہیں؟ آج افسوس ہے کہ بہت سے خدمتِ دین کے دعوے دار سود خوروں اور حرام کاروبار کرنے والے مغروروں سے چندہ لینے سے بھی نہیں کتراتے، بس ہرچہ آمد درگھسیٹ کے مصداق ہو کر رہ گئے ہیں، نہ دنیا کی ذلت کا پاس ہے نہ آخرت کے حساب کی فکر۔

(۵۵)

شکم سیری کے فتنے سے ہوشیار رہنا چاہئے

حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک ایسے محتاج کے پاس سے گذرے جو کپڑے نہ ہونے کی وجہ سے ریت میں چھپا ہوا تھا، اس نے موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا تو بہت عاجزی سے عرض کیا: حضرت! اللہ تعالیٰ سے میری محتاجی دور ہونے کی دعا کیجئے، موسیٰ علیہ السلام کو رحم آیا اور انہوں نے

اللہ تعالیٰ سے دعا کی، پیغمبر کی دعا تھی فوراً قبول ہوئی اور اس شخص کی حالت دیکھتے دیکھتے بدل گئی، ایک دن موسیٰ علیہ السلام کوہِ طور پر عبادت ومناجات سے فارغ ہوکر واپس ہورہے تھے تو دیکھا کہ پولیس اس شخص کو گرفتار کرکے لئے جارہی ہے اور ایک بڑا مجمع اس کے پیچھے برا بھلا کہتا اور گالیاں دیتا ہوا جارہا ہے، معلوم کیا کہ اسے کیا ہوگیا ہے؟ لوگوں نے بتلایا: اس نے شراب پی کر لڑائی جھگڑا کیا اور ایک شخص کو قتل کردیا، قاضی نے اس کے قتل کا فیصلہ کردیا ہے، اس لئے اس کو حُکام قتل کرنے کے لئے لے جارہے ہیں۔

شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

معصوم بلی کو اگر پر ہوتے تو دنیا سے پرندوں ہی کا خاتمہ ہوجاتا، گدھے کو اگر سینگیں ہوتیں تو کسی کو اپنے قریب پھٹکنے نہ دیتا، آدمی جب کمزور ہوتا ہے تب تو ٹھیک رہتا ہے لیکن جب طاقت آجاتی ہے تو کمزوروں پر ظلم کرنا شروع کردیتا ہے، اللہ تعالیٰ نے بالکل صحیح فرمایا ہے: "اللہ تعالیٰ اگر سب ہی کا رزق فراخ کردیتا تو لوگ زمین پر فساد مچا کر رکھ دیتے"۔

یہ عاجز کہتا ہے:

اسبابِ معصیت سے محروم آدمی کا گناہوں سے بچنا کوئی کمال کی بات نہیں، کمال یہ ہے کہ سب کچھ میسر ہو پھر بھی حق تعالیٰ کی عظمت کے مدنظر اپنے کو گناہوں سے محفوظ رکھے؛ آنکھیں سلامت ہیں لیکن بدنگاہی نہیں کرتا، کان تیز ہیں مگر بری باتیں نہیں سنتا، طرار ہے مگر غلط بات زبان سے نہیں نکالتا، شہوت متقاضی ہے کھری جوانی ہے مگر شرم گاہ کی حفاظت کرتا ہے، ہر حرام اور لذت اندوزی پر قادر ہے مگر حلال سے تجاوز نہیں کرتا؛ یہ ہے مجاہدہ! اسی مجاہدے پر رضائے الٰہی کا وعدہ ہے، باقی اندھے کا بدنظری نہ کرنا، بہرے کا غیبت نہ سننا، گونگے کا بدزبانی نہ کرنا، ہجڑے کا بدکاری نہ کرنا محتاج کا حرام خوری نہ کرنا کوئی کمال کی بات تھوڑا ہی ہے، یہ مجبوری کا تقویٰ ہے جس پر کوئی اجر نہیں ہے۔

(۵۶)

اپنے سے زیادہ پریشان حال کو دیکھ کر سبق لینا چاہیئے

میں نے الحمدللہ حالاتِ زمانہ اور معاشی آزمائشوں کی کبھی شکایت نہ کی تھی، ایک دفعہ ایسا ہوا کہ مالی تنگی کی وجہ سے پیر میں جوتے بھی نہ رہے اور ننگے پاؤں ہی چلنا پڑا تو بے ساختہ زبان پر تنگی وسختی کا شکوہ آ گیا، اس حال میں جب میں کوفہ کی جامع مسجد میں داخل ہوا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک شخص ہے جس کے سرے سے دونوں پیر ہی نہیں ہیں، اُسے دیکھتے ہی اپنی غلطی کا احساس ہوا، اور شکوے سے استغفار کر کے شکر بجالانا شروع کر دیا کہ الہ العالمین! تیرے کرم سے میرے پیر تو سلامت ہیں جوتے نہ ہوئے تو کیا ہوا؛ اپنے ہی اس واقعہ کو بیان کر کے

شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

پیٹ بھرے آدمی کی نظر میں بھنا ہوا مرغ سبزی ترکاری کے برابر بھی اہم نہیں ہوتا جب کہ غریب اور محتاج آدمی کے واسطے اُبلے ہوئے شلجم بھی بھنے ہوئے مرغ سے کم نہیں ہوتے۔

یہ عاجز کہتا ہے:

اسی وجہ سے حدیث میں ہے کہ دین کے معاملے میں اپنے سے بلند تر لوگوں کو معیار بناؤ اور دنیا کے معاملے میں اپنے سے کم تر لوگوں پر نظر رکھو تا کہ دین میں ترقی کی توفیق ہو اور دنیا میں شکر کا موقعہ ملے؛ آج کل بالکل اس کے برعکس ہو رہا ہے؛ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کسی کو کسی عیب میں مبتلا دیکھتے تو فوراً اللہ تعالیٰ کا شکر بجالاتے تھے کہ اس نے مجھے اس عیب سے محفوظ رکھا؛ اگر آدمی اپنی نعمتوں میں تدبر نہیں کرتا دوسروں ہی کی نعمتیں گنتا رہتا ہے تو ایسے آدمی کو شکر الٰہی کی کبھی توفیق نہیں ہوتی، ہمیشہ شکایت ہی اس کی زبان پر رہتی ہے، حالاں کہ

شکر سے نعمت میں اضافہ ہوتا ہے اور شکایت سے مولیٰ ناراض ہوتا ہے، فائدہ کیا ہوا؟ سالکین کو چاہئے کہ ہمیشہ اللہ کی نعمتوں پر نظر رکھیں تاکہ اس کا شکر بجالاتے رہنے کی توفیق ملتی رہے۔

(۵۷)

کسی کے نفع میں رکاوٹ نہ بننا چاہئے

ایک بادشاہ سرما کے موسم میں اپنے خاص لوگوں کے ساتھ شکار کے لئے نکلا، اتفاق سے رات ایسے حال میں آئی کہ یہ لوگ آبادی سے بہت دور نکل چکے تھے، اور سردی شدید پڑ رہی تھی، اس جگہ سے قریب میں کوئی گاؤں نظر آیا تو بادشاہ نے کہا: بہتر ہے کہ رات اسی گاؤں میں گذار لی جائے، اس پر ایک وزیر نے رائے دی کہ بادشاہ کے بلند مقام کے لائق نہیں ہے کہ گاؤں کے بے حیثیت لوگوں کا احسان سر پر لیا جائے، اس لئے یہیں خیمہ تان کر سردی سے بچنے کے لئے آگ جلا لینا مناسب ہے؛ یہ بات کسی طرح گاؤں والوں کو بھی معلوم ہوگئی، ایک دیہاتی نے جو کچھ گاؤں میں مُیسر آیا اسے سلیقے سے ایک خوان میں ترتیب دے کر بادشاہ کی خدمت میں حاضر کیا، آداب بجالائے اور عرض کیا کہ سرکار کے گاؤں میں قیام فرمانے سے سرکار عالی کا مقام تو خیر کیا گھٹتا؟ لوگوں نے دراصل یہ نہ چاہا کہ دیہاتیوں کا مقام بلند ہوجائے؛ بادشاہ کو یہ بات بھلی لگی اس نے رات اسی گاؤں میں جا کر اس دیہاتی کے گھر گذاری، صبح انعام واکرام سے نوازا، جب بادشاہ واپس ہونے لگا تو یہ دیہاتی ممنونیت کے جذبات سے مغلوب ہو کر تھوڑی دیر ہمراہ چلتا اور یہ گنگناتا رہا: کسی دیہاتی کے گھر مہمان ہونے سے بادشاہ کا مقام ومرتبہ تو کچھ کم نہ ہوا البتہ اس کی نوازش اور مہربانی سے دیہاتی کا سر آسمان تک بلند ہو گیا۔

شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے: اس حکایت پر کوئی تبصرہ نہیں فرمایا۔

یہ عاجز کہتا ہے:

بادشاہوں اور حاکموں ہی کے پاس کیا اکابر اور بزرگانِ دین کے پاس بھی کچھ ایسے لوگ تقرب حاصل کرلیتے ہیں جن کو اپنی اصلاح، تزکیہ اور تعلق مع اللہ سے قطعاً دلچسپی نہیں ہوتی، بس جس قدر مادّی فائدے اس اللہ والے کے قرب سے مل سکتے ہیں حاصل کرتے رہتے ہیں اور ساتھ میں یہ مشغلہ بھی جاری رہتا ہے کہ فلاں کے بارے میں بدگمانی کیسے پیدا کی جائے، اور فلاں کے تقرب واعتماد کو کیسے ختم کیا جائے؛ یہ نامراد و بے نصیب لوگ چاہتے ہیں کہ بڑوں کے ہم ہی واحد خیر خواہ بنے رہیں، کسی اور کو اس میں شریک ہونے نہ دیا جائے؛ اگرچہ کہ اہل اللہ کچے پکے میں تمیز کرتے ہیں اور مخلص و منافق کا فرق سمجھتے ہیں مگر ازراہِ بشریت ایسے لوگوں سے نقصان بھی اٹھاتے رہتے ہیں، ان بزرگوں کا اس میں کیا قصور و عیب ہے؟ سب انہی منافق مزاج اور خودغرض لوگوں کی کارستانی ہوتی ہے؛ بتلانا یہ ہے کہ سالکین کو اگر راہِ خدا میں ترقی کرنا اور نسبت مع اللہ کی دولت حاصل کرنا ہے تو اپنے بڑوں کے مخلص خادم بن کر رہیں، مکر و خداع سے بچیں، ایک دن مقصود پالیں گے اور اگر یوں جوڑ توڑ، لگائی بجھائی کرتے رہیں گے تو عمر بھر کورے کے کورے رہ جائیں گے، کچھ نہ پائیں گے۔

(۵۸)

دنیا کی حرص حد سے زیادہ نہ ہونی چاہیے

ایک تجارت پیشہ شخص کو میں نے دیکھا کہ اس کے پاس ڈیڑھ سو اونٹوں کا سامان تھا اور چالیس خدمت گذار ساتھ تھے؛ ایک رات مجھے اپنے گھر لے گیا، پوری رات سونے نہیں دیا، اپنی شیخی بگھارتا رہا کہ فلاں سامان ترکستان سے آیا ہے، فلاں ہندوستان سے منگایا ہوں اور فلاں چیز فلاں جگہ سے آئی ہے؛ کبھی کہتا کہ اسکندریہ جانے کا ارادہ ہے

کیوں کہ وہاں کی آب وہوا ٹھنڈی ہے، پھر کہتا مغرب کے دریا میں اس وقت تلاطم ہے وہاں نہ جانا چاہئے، اخیر میں کہنے لگا: اے سعدیؒ! ایک اہم سفر کا ارادہ ہے اگر وہ مکمل ہوگیا تو باقی زندگی گوشۂ تنہائی میں بیٹھ جاؤں گا اور قناعت اختیار کرلوں گا؛ میں نے پوچھا وہ کونسا سفر ہے؟ کہنے لگا: پارسی گندھک چین لے جاؤں گا، وہاں سے چینی برتن لے کر روم جاؤں گا، روم سے ریشم لے کر ہندوستان جاؤں گا، ہندوستان کا لوہا حلب لے جاؤں گا، حلب کے آئینے یمن لے جاؤں گا، یمن کی چادریں لے کر پھر فارس جاؤں گا، اس کے بعد سیر وسفر ختم کر کے ایک دوکان کھول کر مقامی طور پر ہی کاروبار کرلوں گا؛ بخدا اس دماغ خراب نے اتنا بکا اتنا بکا کہ خود اس کو بولنے کی طاقت ختم ہوگئی تو مجھ سے کہنے لگا: سعدی! تم بھی تو اپنے تجربات کی روشنی میں کچھ سناؤ۔

شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

میں نے اس سے کہا: تمہیں معلوم ہوا ہوگا کہ گذشتہ سال غور کے صحراء میں تاجروں کا ایک سردار اونٹ پر سے گر کر زخمی ہوگیا تھا، اس وقت اس نے کہا تھا: دنیا کے حریص کی حرص کو یا تو قناعت ختم کرسکتی ہے یا پھر قبر کی مٹی۔

یہ عاجز کہتا ہے:

آج بھی کتنے دنیا کے حریص اور دولت کے متوالے اسی تاجر کی طرح شیخ چلّی کے منصوبے بناتے اور عمر عزیز کو اس میں گنواتے رہتے ہیں، اللہ نے اگر مال و دولت جمع کرنے کے اسباب دیئے ہیں تو اعتدال ومیانہ روی کے ساتھ اس میں مشغول ہونے میں کوئی حرج نہیں لیکن جنونی انداز میں دیوانہ وار ان چیزوں کے پیچھے پڑ کے اپنے دین اور آخرت کی فکر سے غافل ہو بیٹھنا، یا اس سلسلے میں صرف زبانی جمع خرچ پر اکتفا کرلینا انتہائی حماقت و سفاہت کی بات ہے، سالکین کو چاہئے کہ اسبابِ معاش کی مشغولی میں حد اعتدال سے تجاوز نہ کریں، بہ قدر ضرورت مشغول کے بعد یاد الٰہی اور فکرِ آخرت میں لگے رہیں۔

(۵۹)

بخل کے بجائے سخاوعطا کا مزاج بنانا چاہئے

ایک مالدار شخص بخیل اور کنجوسی میں ایسا ہی مشہور تھا جیسا کہ حاتم طائی سخاوت وکرم میں مشہور تھا، ظاہری طور پر تو بڑا متمول وسخی نظر آتا تھا مگر خصلت ایسی خسیس وکنجوس رکھتا تھا کہ جان کے بدلے بھی ایک روٹی کسی کو دینے تیار نہ ہوتا تھا، اس کے سامنے ابو ہریرہؓ کی بلی بھی اگر آجائے تو اس کو ایک لقمہ نہ ڈالے، اصحاب کہف کا کتا بھی پہونچ جائے تو ایک ہڈی نہ پھینکے، مختصر یہ کہ کسی شخص نے کبھی اس کا دروازہ کھلا ہوا دیکھا نہ کسی کو کبھی اس کا دستر خوان بچھا ہوا نظر آیا، نہ کسی فقیر نے اس کے کھانے کی خوشبو سونگھی نہ کسی پرندے نے اس کے گھر سے کوئی ریزہ چنا؛ کہتے ہیں کہ یہ شخص ایک دفعہ مصر جانے کے لئے دریائے مغرب میں سفر کررہا تھا، ڈر کے مارے بُرا حال ہورہا تھا کہ کہیں ڈوب نہ جاؤں، اتفاق سے دریا میں مخالف ہوا چلنے لگی تو دونوں ہاتھ اٹھا کر خوب دعائیں کرنا شروع کیا، مگر جب کسی بندۂ خدا کی دعا اس کے ساتھ نہ تھی تو آسمان سے کیا مدد ہوتی؟ ایسے خودغرض ہاتھ بارگاہ الٰہی میں کیسے مقبول ہوسکتے ہیں؟ جو مدد کی ضرورت کے وقت بخل کے نیچے دب جاتے اور اپنی ضرورت کے وقت اٹھ جاتے ہیں، آخر کار ڈوب کر مرگیا؛ مصر میں اس کے کچھ غریب رشتے دار رہتے تھے، اس کی ہلاکت کے بعد اس کے مال پر ان لوگوں نے قبضہ کر کے آپس میں بانٹ لیا اور مزے کرنے لگے، چند دن بعد میں نے اس کے ایک رشتہ دار کو دیکھا کہ تیز رفتار گھوڑے پر سوار ہوکر چلا جارہا تھا، پیچھے پیچھے خوب رو غلام دوڑ رہا تھا، میں اسے پہلے سے جانتا تھا اس لئے اس کا ہاتھ پکڑ کر روک لیا اور نصیحت کی: اے سمجھدار آدمی کھا اور مزے کر، وہ بدنصیب تو بس جمع کرتا رہا، کھایا نہ کھلایا۔

شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اپنے مال ودولت سے دوسروں کو نفع پہنچاؤ، تمہارے کام آجائے گا، خود بھی فائدہ اٹھاؤ، نہیں تو یہ سب مال ومتاع تم سے چھوٹ جائے گا، چاہے سونے چاندی کی اینٹوں سے بنا ہوا گھر ہی کیوں نہ ہو۔

یہ عاجز کہتا ہے:

حدیث میں ہے: آدمی کہتا ہے میرا مال، میرا ل مال! حالانکہ اس کا مال سوائے اس کے جو کھا کر ہضم کرلیا، جو پہن اور اوڑھ کر پرانا کردیا اور جو راہِ خدا میں صرف کر کے جمع کرلیا اور کچھ نہیں، بس اتنا مال اس کا ہے، اب اس کے سوا جو کچھ ہے وہ اس کا نہیں وارثین کا ہے، سب یہیں چھوڑ کر دنیا سے ایک دن تنِ تنہا روانہ ہو جائے گا۔ اس لئے آدمی کو چاہئے کہ اللہ پاک نے اگر مال دیا ہے تو اس سے خود فائدہ اٹھائے اور دوسروں کو بھی فائدہ پہونچائے، تاکہ یہ مال اس کے کام آئے اگر ایسا نہ کرے گا محض جوڑ جوڑ کے رکھتا رہے گا تو اس کے تو کچھ کام نہ آئے گا البتہ اس کے وارثین کے خوب کام آئے گا۔

(٦٠)

احسان کے بوجھ سے اپنے کو محفوظ رکھنا چاہئے

ایک درویش صفت بزرگ زہد اور ترک دنیا اختیار کر کے بستی سے نکل گئے، اور کسی پہاڑ کے غار میں سکونت اختیار کرلی، کسی کو وہاں آنے کی اجازت نہیں تھی، خاص طور سے مالداروں اور حکمرانوں کو تو وہ کچھ سمجھتے ہی نہ تھے، اس لئے کہ جب انہیں ان لوگوں سے کسی قسم کا فائدہ اٹھانا نہ تھا تو ان کے دل میں ان کی کیا پرواہ ہوتی؛ ایک دن بادشاہِ وقت نے ان کے پاس آدمی بھیج کر گھر آنے کی دعوت دی اور فرمائش کی کہ ہمیں ایک مرتبہ ہم طعامی کا موقعہ دیں؛ درویش نے یہ سوچ کر کہ دعوت قبول کرنا سنت ہے بادشاہ کی دعوت منظور کرلی، اس

کے گھر گئے، بادشاہ نے اعزاز واکرام سے کھلا پلا کر رخصت کر دیا، اگلے دن بادشاہ خود ان کا شکریہ ادا کرنے کے لئے اس غار پر پہونچا، درویش جواب تک کسی کو خاطر میں نہیں لاتے تھے فوراً اٹھ کھڑے ہوئے، بادشاہ سے معانقہ کیا، مہربانی سے پیش آئے، اور بادشاہ کے اخلاق واعمال کی تعریف کی؛ جب بادشاہ چلا گیا تو درویش کے ساتھیوں میں سے کسی نے دریافت کیا: آپ نے آج خلاف معمول بادشاہ کا اس قدر اکرام اور ایسی تحسین کی کہ ہم نے کبھی کسی کے ساتھ آپ کا یہ سلوک نہیں دیکھا، کیا بات ہے؟ انہوں نے فرمایا: بزرگوں نے فرمایا ہے کہ اگر تم کسی کے دسترخوان پر کھانے کے لئے بیٹھ گئے تو پھر اس کا شکر ادا کرنے کے لئے کھڑا ہونا ہی پڑے گا۔

شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

جو شخص سوال کا دروازہ اپنے اوپر کھول لیتا ہے اس کو زندگی بھر احسان مند ہو کر جینا پڑتا ہے، دوسروں سے توقعات ختم کرلو تو شاہانہ زندگی گذار سکتے ہو؛ مگر پیٹ کا معاملہ ایسا ہے کہ کم ہی لوگ حرص وطمع سے بچ پاتے ہیں؛ کان زندگی بھر اچھی آوازوں کے سننے سے بچ سکتے ہیں، آنکھیں عمدہ مناظر دیکھنے سے اپنے کو باز رکھ سکتی ہیں، سر سونے کے لئے تکیہ کے بجائے پتھر کے ٹکڑے پر راضی ہو جا سکتا ہے، بیوی بازو میں نہیں ہے تو اپنے ہاتھ ہی کو بازو میں لے کر تسلی کر لی جا سکتی ہے مگر پیٹ کی ان لمبی لمبی آنتوں کا قصہ یہ ہے کہ تھوڑے پر قناعت کرنے کے لئے کبھی تیار نہیں ہوتیں، لازماً آدمی اس پیٹ کی خاطر ہاتھ پھیلانے پر مجبور ہو کر ذلت ورسوائی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

یہ عاجز کہتا ہے:

سالکین وصالحین اور خدام دین کو اپنی آبرو کی حفاظت اور اپنے مقام کا لحاظ رکھنا بہت ضروری ہے، دولت مندوں سے ان کی ہدایت واصلاح کے لئے تعلق رکھ سکتے ہیں مگر شخصی

مفادات اور نفسی اغراض کے لئے ان کا قرب حاصل کرنا سخت مُضر ہے، کچھ نہیں تو اخلاقاً ہی سہی یا احسان کا بدلہ احسان سے دینے کی خاطر ہی سہی اپنی آبرو کھو لینی پڑتی ہے، جس کا اس زمانے میں خوب مشاہدہ ہورہا ہے، ہر معاملے میں سلف صالحین کا طرزِ عمل ہمارے لئے مشعلِ راہ ہونا چاہئے۔

(۶۱)

فضول سوالات سے بچنا چاہئے

سلطان محمود کے بعض خدام نے اس کے وزیر حسن میمندی سے پوچھا: بادشاہ نے آج فلاں مسئلے میں آپ سے کیا گفتگو کی؟ حسن نے کہا: وقت آنے پر تم لوگوں کو بھی پتہ چل جائے گا، ان لوگوں نے کہا کہ اس قسم کی اہم باتیں ہم لوگوں سے کہاں کہی جاتی ہیں، آپ ہی لوگوں سے کی جاتی ہیں؛ حسن نے کہا: ایسا اس لئے ہوتا ہے کہ ہم سے بادشاہ کو اس بات کا خطرہ نہیں رہتا کہ ہم ان کے راز فاش کردیں گے اور اندرونی باتوں کو باہر پہونچادیں گے، اسی اعتماد پر تو ہمیں مشوروں میں شریک کیا جاتا ہے، پھر تم لوگ ہم سے کیوں معلوم کرنا چاہتے ہو؟

شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

عقل مند لوگ جو بات بھی معلوم ہوجائے اسے دوسروں تک نہیں پہونچاتے، بالخصوص بادشاہوں اور بڑے لوگوں کے راز کو کسی کے سامنے نقل کر کے اپنا انجام بُرا نہیں کرتے۔

یہ عاجز کہتا ہے:

یہ بات بھی اخلاقیاتِ اسلامی میں داخل ہے کہ وہ بات جو بتانے والا راز میں رکھنا چاہتا ہے، اور اس کے اظہار کو پسند نہیں کرتا اسے دوسروں کے سامنے نقل نہ کیا جائے، بلکہ ایک امانت سمجھ کر اس کی حفاظت کی جائے، حدیث میں ہے کہ: ”جس سے مشورہ لیا جائے

اس کے پاس وہ مشورہ گویا امانت رکھا گیا ہے"اسی طرح فرمایا:"مجلسیں امانت ہیں" وغیرہ اور جب یہ بات اخلاق کے خلاف ہے تو آدمی کا دوسروں کے رازوں کو جاننے کی کوشش کرنا بھی یقیناً خلافِ اخلاق اور گناہ کی بات ہے؛ آج کل اس معاملے میں دیندار کہلائے جانے والے بھی بہت کوتاہی کررہے ہیں اور لوگوں کے بھیدوں کو پھیلانے اور جاننا چاہنے کے جرم میں مبتلا ہیں، کیوں کہ وہ ان باتوں کا دین واخلاق سے کوئی تعلق ہی نہیں سمجھتے؛ اللہ تعالیٰ صحیح سمجھ عطا فرمائے، سالکین کو اس خلق کی طرف بھی توجہ دینی چاہئے اور لوگوں کے رازوں کی حفاظت کرنی چاہئے، بلاضرورت دوسروں کے حالات کو نہ جاننے کی کوشش کریں نہ بیان کرنے کی جرأت!

(٦٢)

وعظ ونصیحت میں قابلِ قبول انداز اختیار کرنا چاہئے

ایک واعظ کی آواز بہت کرخت تھی، اس پر مزید ستم یہ ہے کہ ان کو یہ خوش فہمی بھی تھی کہ وہ بہت خوش الحان ہیں، بستی کے لوگ ان کی چیخ وپکار اور سخت وکرخت لہجے کی تقریروں سے عاجز تھے مگر ان کے اثر ورسوخ کی وجہ سے روک بھی نہیں سکتے تھے، بجز برداشت کرنے اور بھگتتے رہنے کے اور کوئی راستہ نہ تھا؛ ایک دن اس علاقے کے ایک اور واعظ جن کو ان سے شکایت یا حسد تھا ان کے پاس آئے، ملاقات کرکے بتلایا کہ میں نے رات آپ کو خواب میں دیکھا تھا خیر خیریت تو ہے نا؟ انہوں نے معلوم کیا کہ کیا خواب دیکھا؟ کہنے لگے: یہ دیکھا کہ آپ کی آواز بہت عمدہ ہوگئی ہے اور لوگ آپ کی طرف سے راحت پاگئے ہیں، واعظ صاحب کہنے لگے: جزاک اللہ کیا مبارک خواب ہے، مجھے پتہ چل گیا کہ میرے درشت لہجے اور کرخت آواز سے لوگ بیزار ہیں، آج ہی سے میں نرم وملائم گفتگو کی کوشش شروع کردیتا ہوں۔

شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

جب تک آدمی کو اس کے عیب سے کوئی واقف نہیں کراتا وہ نادانی وحماقت کی وجہ سے اپنے عیب کو ہنر اور کمال سمجھتا رہتا ہے، اس لئے کبھی اصلاح کی توفیق بھی نہیں ہوتی؛ وہ شخص دوست کہلانے کے لائق نہیں ہے جو ہمارے عیوب کو کمال بتاتا رہے اور عیوب کو چھپاتا رہے، سچا دوست وہ ہے جو عیوب کی نشاندہی کرتا رہے تاکہ ن کبھر وقت اصلاح ہو کر ان کے ضرر سے بچ سکیں۔

یہ عاجز کہتا ہے:

پہلے زمانے میں لوگ اہل اللہ اور بزرگوں کی صحبت میں اسی لئے وقت لگاتے تھے کہ ان کی نشاندہی اور توجہ دہانی سے اپنے عیوب اور اخلاقی وافعالی کمزوریوں کا پتہ چل سکے اور ان کی اصلاح کی توفیق مل سکے؛ کتنے ہی علماء ہیں جنہوں نے صاف اعتراف کیا ہے کہ اہل اللہ کی صحبت سے قبل ہمیں اپنی بہت سی خامیوں کا پتہ تک نہیں تھا، اگر مشائخ کی صحبت نہ ملتی تو کبھی ان عیوب سے پاک نہ ہو پاتے، بلکہ بسا اوقات تو عیب کو ہنر اور بدتمیزی کو تہذیب و ادب سمجھنے کی حماقت میں تک مبتلا تھے؛ پہلے کے دوست بھی مخلص اور خیر خواہ ہوتے تھے، اس زمانے میں دوستوں سے اس کی توقع فضول ہے کہ وہ ہمارے عیوب کی نشاندہی کر کے اصلاح کی طرف توجہ دلائیں گے، اس لئے کہ دوستیاں اغراض کی حد تک محدود ہو گئی ہیں؛ پس سالکین کو چاہئے کہ اپنی اصلاح ودرستگی کی خود فکر کریں اور کسی پیر ومرشد کی صحبت میں معتد بہ وقت گذاریں تاکہ اپنے عیوب علم میں آ کر ان کے ازالہ کا سامان ہو سکے؛ حکایت میں دو چیزیں اور سیکھنے کی ہیں، ایک تو یہ کہ آدمی اپنے ساتھیوں کو کسی غلطی کی طرف متوجہ کرنا چاہے تو حکمتِ عملی اختیار کرے، دوسرے یہ کہ جب کسی کے سامنے کوئی بات آئے تو اس کے بہتر پہلو سے فائدہ اٹھا لینے کی کوشش کرے، خواہ سامنے والے کا مقصد اور نیت کچھ بھی ہو۔

(۶۳)

اذان عمدہ لہجے میں ہونی چاہئے

ایک صاحب اپنی خوشی سے محلے کی مسجد میں اذان دینے لگے، آواز و انداز ایسا تھا کہ سننے والوں کو کراہت ہوتی تھی، محلے کے لوگوں نے عاجز ہو کر مسجد کے متولی سے شکایت کی، متولی بے چارے بھی اگرچہ ان سے بیزار تھے مگر خوش خلقی و بلند حوصلگی کی وجہ سے یہ سوچ کر ان کو اذان دینے سے روک نہیں پارہے تھے کہ بے چارہ آزردہ خاطر نہ ہو جائے، بالآخر انہوں نے اس مؤذن کو بلا کر سمجھایا کہ اس مسجد میں پہلے سے چند مؤذن مقرر ہیں جنہیں میں ماہانہ پانچ دینار دیتا ہوں، ان لوگوں کو اپنا کام کرنے دو، میں تمہیں ہر ماہ دس دینار دیا کروں گا تم کسی اور بستی کی مسجد میں چلے جاؤ، وہ صاحب راضی ہو کر دوسری جگہ چلے گئے، کچھ دن کے بعد پھر واپس آئے، متولی صاحب سے کہنے لگے، عجیب بات ہے کہ جس جگہ میں گیا ہوں وہاں کے لوگ کہتے ہیں کہ ہم بیس دینار دیں گے تم کہیں اور چلے جاؤ، متولی صاحب نے کہا: ہرگز قبول نہ کرنا جب تک کہ وہ پچاس دینار دینے کے لئے راضی نہ ہو جائیں۔

شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

بعض مؤذنین اپنے کرخت لہجے اور بھدے انداز سے لوگوں کے دلوں کو اس طرح چھیلتے ہیں جیسے کوئی بڑھئی رندے سے لکڑی کو چھیلتا ہے، ایک ایسی ہی بھدی آواز والا کسی جگہ زور زور سے قرآن کریم پڑھ رہا تھا، ایک بزرگ گذرے تو اس سے پوچھا کہ اس کام کی کتنی تنخواہ ملتی ہے؟ کہنے لگا کچھ بھی نہیں ملتی محض خدا کے واسطے پڑھتا ہوں، فرمایا: ایسا ہے تو خدا کے واسطے دوبارہ نہ پڑھ، کیوں کہ تیرے اس طرح قرآن پڑھنے سے اسلام کی شوکت اور قرآن کی رونق ختم ہو رہی ہے۔

یہ عاجز کہتا ہے:

یہ تو اس زمانے میں کوئی نادر واقعہ پیش آیا ہوگا، ہمارے دور میں تو مسجدوں کی عام طور سے یہی صورتِ حال ہے، باوجود اتنی ترقی ہو جانے اور شاندار محلات وقصور کی طرح مسجد یں بن جانے کے بھی جب نماز کے وقت چوطرف سے اذانوں کی آواز بلند ہوتی ہے تو ایسی بھدی بھونڈی آوازیں کانوں میں پڑتی ہیں اور کلماتِ اذان کے اس قدر غلط تلفظ سننے کو ملتے ہیں کہ بس چلے تو اسی وقت ان لوگوں کو مائیک سے ہٹا کر معزول کر دیا جائے، مگر سلسلہ یونہی جاری ہے، میرے شیخ حضرت محی السنہؒ عمر بھر پوری دنیا میں اس منکر کی طرف توجہ دلاتے رہے؛ فرماتے تھے کہ: اس کی وجہ یہ ہے کہ مؤذنی کے کام کو لوگوں نے نعوذ باللہ گھٹیا کام سمجھ لیا ہے، کوئی قاری اور عالم اس کام کے لئے تیار نہیں ہوتا، حالانکہ سیدنا عمر فاروقؓ فرمایا کرتے تھے کہ خلافت کی ذمہ داری نہ ہوتی تو میں اذان دینے کی خدمت کو اپنے لئے پسند کرتا؛ ضرورت ہے کہ متولیان مسجد اچھی تنخواہ پر خوش الحان اور واقف احکام مؤذنین کا تقرر کریں، کیوں کہ اذان شعائرِ اسلام میں سے ہے، نماز کو تو صرف مسلمان ہی دیکھتے ہیں اذان اپنے پرائے سب سنتے ہیں؛ سالکین کو بھی چاہئے کہ وہ قرآن مجید صحیح پڑھنا سیکھیں، تلاوت کے ساتھ ساتھ اذان واقامت میں بھی خوش الحانی سیکھنے کی کوشش کریں تاکہ خالق اور مخلوق سب ہی کو ان کا پڑھنا اچھا لگے اور اجر کا سبب بنے۔

(۶۴)

اہل علم کو اپنے مقام کا لحاظ رکھنا چاہئے

ایک صاحب علم آدمی کو میں نے دیکھا کہ وہ کسی کے حُسن وجمال پر فریفتہ ہوگیا تھا، اور کچھ ایسا بے خود ہوگیا کہ اس کے دل کے اس مرض کا راز پردے میں نہ رہ سکا، دوسروں کو بھی پتہ چل گیا کہ یہ آدمی فلاں کا دل دادہ اور عاشق ہوگیا ہے، صورت حال یہ تھی کہ ہر ظلم سہہ لیتا

اور ہر ذلت گوارا کر لیتا مگر اس آزمائش سے نکل نہیں پاتا تھا، ایک دن میں نے اس کو بہت نرمی و مہربانی سے سمجھایا کہ مجھے معلوم ہے کہ اس محبوب کی محبت میں تمہاری کوئی نفسانی غرض نہیں ہے، نہ ہی کسی برائی کے ارادے سے تم اس کی محبت میں مبتلا ہوئے ہو، پھر بھی اتنا تو سمجھنا چاہئے کہ اہل علم کی بلند شان اور اونچے مقام کے مناسب یہی ہے کہ اپنے اوپر کسی کو تہمت لگانے کا موقعہ نہ دیں، اور عوام الناس کے طعنے نہ سنیں؛ میری اس نصیحت کے جواب میں وہ عالم کہنے لگا: ارے یار! تمہاری نصیحت رہنے دو، میں مجبور ہوں جو باتیں تم بتلا رہے ہو انہیں میں نے خود بار بار سوچا مگر میری کیفیت یہ ہے کہ ہر بدنامی اور ذلت گوارا ہے مگر بدنگاہی سے بچنا مشکل ہے، عقل مندوں نے کہا ہے کہ دل کو مجاہدے کے لئے آمادہ کرنا آسان ہے مگر آنکھ کو مشاہدے سے روکنا مشکل ہے۔

شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

جو شخص کسی کے عشق میں مبتلا ہو کر اپنا دل دلبر کو دے بیٹھتا ہے تو وہ ایسا ہے جیسے کسی نے اپنی داڑھی دوسرے کے ہاتھ میں دیدی ہو، یعنی ایسا شخص اپنی عزت کھو بیٹھتا ہے؛ جس طرح ہرن جیسے کودنے پھلاندنے والے جانور کے گلے میں رسی ڈالدینے سے وہ مجبور ہو کر رہ جاتا ہے اسی طرح عاشق کا حال ہوتا ہے کہ اپنے گلے میں معشوق کی محبت کا پھندا ڈال کر زندگی کی آزادی سے محروم ہو جاتا ہے۔

یہ عاجز کہتا ہے:

حضرت حکیم الامتؒ فرمایا کرتے تھے ''عشق مجازی عذاب الٰہی ہے'' جو صورتحال شیخ کے ایک صاحب علم دوست کو عشق مجازی کے نتیجے میں پیش آئی ہر اس شخص کی ہو جاتی ہے جو صورت پرستی و بدنگاہی کی ذلت میں مبتلا ہو جاتا ہے، خواہ عالم ہو یا عامی، یہ مرض چند ہی دنوں میں مشہور ہو کر ہر چھوٹے بڑے کی نظر سے گر جانے کا سبب بن جاتا ہے؛ کہتے

ہیں کہ کسی بزرگ کی ابلیس سے ملاقات ہوئی تو اس سے انہوں نے لوگوں کو بہکانے کے طریقے معلوم کئے، اس نے بتلایا کہ کہ ہر ایک کو اس کے حالات کے حساب سے بہکایا جاتا ہے، پھر جب طبقۂ اہل دین کا ذکر آیا تو ان کے سلسلے میں اس نے بتلایا کہ اس طبقہ کو محروم و نامراد کرنے کے لئے میرے پاس ''صحبۃ الاحداث'' یعنی نوعمروں کی صحبت میں گرفتاری بڑا مضبوط ہتھیار رہے، جب بھی میں نے یہ تیر آزمایا انہیں ہلاک کرنے میں ناکام نہ ہوا؛ اس لئے اہل دین خصوصاً سالکین کو چاہئے کہ نگاہوں کی حفاظت کا اہتمام کریں، خدانخواستہ کسی آزمائش میں مبتلا ہو جائیں تو فوراً شیخ سے رجوع کریں اور دیانت دارانہ اطاعت کے ذریعہ اس مرض سے نجات حاصل کرلیں، ورنہ ایسی ذلتیں اور رسوائیاں ملیں گی کہ کہیں سر چھپانے کی جگہ بھی نہ ہوگی۔

(٦٥)

دل کو دنیا کی محبت سے خالی رکھنا چاہئے

ایک اللہ والے سفر حجاز کے دوران ہمارے قافلے میں تھے، کسی عرب نے ان کو سو دینار یہ کہہ کر دئے کہ حرم میں ان کی طرف سے قربانی کردی جائے، راستے میں ڈاکوؤں نے حملہ کرکے پورا قافلہ لوٹ لیا، سب کاروباری لوگ تھے جو مکہ میں کاروبار کے لئے جارہے تھے سب کے سب لٹ گئے، ان لوگوں نے آہ وفغاں اور رونا دھونا شروع کیا، مگر اس کا فائدہ کیا ہوتا؟ لٹیرے تو لٹیرے ہوتے ہیں انہیں نہ کسی پر رحم آتا ہے اور نہ کسی کے رونے دھونے سے متاثر ہوتے ہیں، رحم دل ہوتے تو یہ کام ہی نہ کرتے؛ خیر میں نے ان بزرگ کو دیکھا کہ ایک گوشے میں اطمینان سے بیٹھے اپنے کام میں مشغول ہیں، میں نے ان سے پوچھا کہ آپ کی پونجی شاید محفوظ رہ گئی ہے، اس لئے بہت مطمئن ہیں، کہنے لگے: نہیں! میرا سامان بھی سب لٹ گیا مگر میرے دل میں مال سے ایسی رغبت اور قلبی لگاؤ نہیں کہ جدائی پر مغموم

دمبھوت ہوکر عقل کھو بیٹھوں، مال مقسوم میں نہ تھا چلا گیا، میں اپنے کام میں لگا ہوا ہوں۔

شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

دل کولوگوں اور چیزوں سے حد سے زیادہ وابستہ نہیں رکھنا چاہئے، اس لئے کہ جب دل کسی چیز میں لگ جاتا ہے تو پھر اس کو وہاں سے ہٹانا بہت مشکل ہوجاتا ہے، خدانخواستہ مقدر نے اس کو تم سے چھین لیا تو اس کا غم تمہیں بدحال کر کے رکھ دے گا۔

یہ عاجز کہتا ہے:

یہی فرق اہل اللہ اور اہل دنیا کے درمیان میں ہے کہ اہل اللہ نے اپنا دل ایسی ذات سے جوڑلیا ہے جو لا فانی ہے اور ہر وقت اپنے بندوں کی طرف متوجہ رہتی ہے، اس کے برخلاف اہلِ دنیا نے دل کو مال و منال اور حسن و جمال جیسی فانی اور آنی جانی چیزوں میں کھپا رکھا ہے؛ پھر اللہ تعالیٰ چونکہ کبھی فنا نہیں ہوتا اس لئے اہل اللہ کسی حال میں دل برداشتہ نہیں ہوتے کہ ان کا محبوب تو ہر وقت ان کے ہمراہ ہے ان کے برخلاف اہل دنیا کا حال یہ ہے کہ دنیا کی ہر چیز کے فنا اور جدا ہونے پر غم کے مارے تڑپتے اور آہ وفغاں کرتے رہتے ہیں، اسی لئے عارف باللہ حضرت حکیم اختر صاحبؒ فرماتے ہیں ؎

کسی خاکی پہ مت کر خاک زندگانی کو
جوانی کر فدا اس پر کہ جس نے دی جوانی کو

(۶۶)

عشق مجازی اور بدنگاہی سے دور رہنا چاہئے

ہمدان کے ایک قاضی صاحب کو ایک مزدور کے حسین بچے سے عشق ہوگیا تھا، وہ اس کے دیدار کے لئے ہر وقت تڑپتے اور بے چین رہتے تھے، ایک دفعہ اسی بے چینی سے مجبور ہو کر اس کے گاؤں پہونچ گئے، اس لڑکے کو بھی اس بڈھے کی حالت کا پتہ چل گیا تھا کہ اس

کے عشق میں مبتلا ہو گیا ہے، وہ لڑکا قاضی کے سامنے آ کر سخت کلامی اور گالی گلوج کرنے لگا، اسے مارنے کے لئے پتھر اٹھا لایا؛ قاضی صاحب اس ذلت ورسوائی کے دوران بھی اس لڑکے کے غضبناک چہرے پر حسن و جمال کے مشاہدے میں مصروف تھے اور اس سے محظوظ ہو رہے تھے؛ جب وہاں سے واپس آ کر عدالت میں بیٹھے تو عدالت کے بعض پرانے اہل کار و خدمت گذار لوگوں نے اجازت لے کر بہت ہی ادب سے اُس ذلت ورسوائی کی طرف توجہ دلائی جو اس صورتِ حال کے عوام میں پہونچ جانے اور مشہور ہو جانے کی صورت میں ہو سکتی تھی۔

عرض کیا کہ حضور! بات ابھی باہر نہیں گئی ہے، یہیں ختم ہو جائے تو قضاءت کا مقام اور علماء کی شان داغدار ہونے سے بچ جائے گی، ذلت ورسوائی کے انجام سے آپ کی بھی حفاظت ہو جائے گی، قاضی نے ان کی باتیں سننے کے بعد کہا: بات تو تم لوگوں کی بالکل صحیح ہے اور تمہاری خیر خواہی وخلوص میں بھی مجھے شبہ نہیں لیکن محبت اگر ملامت کے خوف سے ختم ہو سکتی تو میں شاید تمہاری نصیحت پر عمل کر لیتا، جس کا دل اس کے قبضے سے نکل گیا ہو وہ کیا کر سکتا ہے، اس لئے مجھے معذور سمجھو۔

قاضی صاحب اپنے نوکروں اور خادموں کے ذریعے اس لڑکے اور اس کے گھر والوں پر مال ومتاع صرف کرتے رہے اور اس لڑکے کو بھی مال ودولت کی حرص دلاتے رہے، مال کی حرص اور دولت مند کی ہوس ہے ہی ایسی بُری بلا کہ آدمی اس کی چکر میں نفع ونقصان اور ذلت وعزت کی تمیز کھو بیٹھتا ہے، چنانچہ یہ لڑکا جو شروع میں اس قدر متنفر تھا اب مال کی ہوس میں مبتلا ہو کر قاضی سے ملنے کے لئے تیار ہو گیا؛ قاضی ایک رات خوب شراب پی کر اور اس لڑکے کو بغل میں لے کر گانے بجانے اور موج مستی میں لگ گیا، کوتوال شہر کو کسی طرح قاضی کے اس حال کی اطلاع مل گئی، اس نے بادشاہ کو واقف کروایا، بادشاہ نے کہا: میں ان کے

بارے میں اس اطلاع کو صحیح نہیں سمجھ سکتا، جہاں تک میں سمجھتا ہوں حاسدین ومخالفین نے ہو سکتا ہے انہیں بدنام کرنے کے لئے یہ افواہ اڑادی ہو، البتہ میں آ کر آنکھوں سے دیکھ لوں تو پھر کوئی فیصلہ کروں گا؛ چنانچہ وہ خود اپنے خواص کو لے کر قاضی کے گھر پہونچا، دربان نے اندر پہونچایا تو دیکھا کہ قاضی شراب میں مست پڑا ہوا ہے اور شراب کے پیالے لوٹے پڑے ہیں، لڑکا سامنے بیٹھا ہوا ہے؛ بادشاہ نے آواز دی، اٹھئے جناب! سورج نکل گیا ہے؛ قاضی چوں کہ صورتِ حال سمجھ چکا تھا اور بادشاہ کو بھی دیکھ لیا تھا، کہنے لگا: سورج کدھر سے نکلا ہے؟ بادشاہ نے کہا: مشرق سے، کہنے لگا تو کوئی بات نہیں مغرب سے سورج نکلنے تک توبہ ومعافی کا دروازہ کھلا ہوا ہے، میں اپنے گناہ سے توبہ کرتا ہوں مجھے معاف کر دیا جائے، بادشاہ نے کہا فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ إِيمَانُهُمْ لَمَّا رَأَوْا بَأْسَنَا[1] اب جب کہ تم اپنے گناہ کے انجام اور سزا کو دیکھ چکے ہو تو توبہ کے کوئی معنی نہیں، میں معاف نہیں کروں گا، بلکہ تمہیں سزا دے کر دوسرے لوگوں کے لئے عبرت کا سامان کروں گا، یہ سنتے ہی سپاہیوں نے قاضی پر لپک کر ہاتھ پیر باندھنا شروع کر دیا، قاضی نے کہا مجھے بادشاہ سے ایک آخری بات کہنی ہے، بادشاہ نے کہا: بولو! قاضی نے کہا: مجھ پر آپ کے بہت سے احسانات ہیں، میں آپ کا پرانا خدمت گذار ونمک خوار ہوں، یہ گناہ آج رات میرے علاوہ اور بھی بہت سے لوگوں نے کیا ہوگا، مجھے سزا دے کر انہیں سبق دلانے کے بجائے کسی اور کو سزا دے کر میری عبرت ونصیحت کا سامان کیوں نہیں کیا جا سکتا؟

شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

جب تمہاری آنکھ میں کوئی سرو قد ــــ یعنی حسین صورت ــــ سما جائے گا اور تمہارے دل کو بھا جائے گا تو تم اپنا دل اس کو دے بیٹھو گے، اور اس کے حسن وجمال

[1] یہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ان کو ان کا ایمان ہمارا عذاب دیکھ لینے کے بعد کچھ نفع نہ دے گا۔

کے جال میں پھنس جاؤ گے، اس لئے اگر اپنا دل اپنے قابو میں رکھنا چاہتے ہو تو ان آنکھوں ہی کو بند رکھو، یعنی بدنگاہی سے بچا کرو۔

یہ عاجز کہتا ہے:

آنکھیں مناظر کو دیکھتی اور دل کو پہونچاتی ہیں، دل اچھے اور پسندیدہ مناظر سے مچل کر اس کا دیوانہ ہو جاتا ہے اور اپنا اختیار کھو بیٹھتا ہے، اور اس کے بعد ذلت و رسوائی کی کوئی پرواہ کئے بغیر کسی بھی اقدام کے لئے تیار ہو جاتا ہے، اس لئے عقل مندی یہی ہے کہ آنکھوں کی حفاظت کی جائے، حق تعالیٰ کا فرمان: قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ؕ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ؕ اسی لئے نازل ہوا ہے، یعنی مومنین سے کہہ دیجئے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں، شرم گاہوں کو محفوظ رکھیں، یہی ان کی پاکیزگی کا ذریعہ ہے؛

حضرت حکیم اختر صاحبؒ فرماتے ہیں:

بے پردہ حسینوں سے ہوا تنگ زمانہ
آنکھوں نے شروع کر دیا اب دل کو ستانا

ایک اور قدیم شاعر نے کہا۔

دل کا نہیں قصور آنکھیں ہی ہیں خطا کار
یہ جا کے نہ لڑتیں وہ مارا نہ جاتا

بہر حال! مذکورہ بالا واقعہ تمام مسلمانوں کے لئے بالخصوص اہل دین و سالکین کے لئے انتہائی عبرت و موعظت کا سامان ہے، حسن پرستی اور عشق مجازی ایسی بلا ہے کہ اگر خدانخواستہ اس میں ابتلاء ہو جائے تو نہ دینداروں کا دین بچتا ہے نہ پارساؤں کی پارسائی محفوظ رہتی ہے، اسی لئے مشائخ بدنگاہی کے اس رذیلے سے بہت ڈراتے رہتے ہیں؛ واقعی بہت ڈرنے کا مقام ہے، کوئی کسی مرتبے پر پہونچ کر اپنے کو محفوظ نہ سمجھے؛ خواجہ صاحبؒ نے فرماتے ہیں۔

ارے یہ کیا ظلم کر رہا ہے کہ مرنے والوں پہ مر رہا ہے
جو دم حسینوں کا بھر رہا ہے بلند ذوق نظر نہیں ہے

(۶۷)

والدین کی دل آزاری سے بچنا چاہئے

دیار بکر (ایک مقام) کا ایک بوڑھا آدمی ایک دفعہ میرا مہمان ہوا، اس کے پاس مال تو بہت تھا اولاد میں صرف ایک بیٹا تھا، ایک رات اپنے بچے کی بے التفاتی و نافرمانی کی شکایت کرتے ہوئے بڑے میاں نے مجھ سے کہا: مجھے کافی عرصے تک اولاد نہیں تھی مگر آرزو بہت تھی، کسی نے مجھے بتایا کہ فلاں مقام پر ایک درخت ہے لوگ وہاں جا کر اپنی حاجات کے لئے دعائیں کرتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ قبول ہوتی ہیں؛ آپ سے کیا چھپاؤں کہ میں ایک عرصے تک اس وادی میں جا کر اس درخت کی جڑوں میں بیٹھ جاتا اور رات رات بھر دعاؤں میں مشغول رہتا تھا، یہاں تک کہ اللہ پاک نے میری دعائیں اور نالہ وفریاد قبول کرلیا، یہ بچہ پیدا ہوا، مگر یہ ہمیشہ یاروں دوستوں میں رہتا ہے میری کوئی پرواہ نہیں کرتا؛ جب بوڑھا مجھ سے یہ باتیں بتا رہا تھا اسی وقت میں نے سنا کہ وہ اپنے دوستوں سے چپکے سے کہہ رہا تھا کہ اگر مجھے وہ جگہ معلوم ہو جاتی جہاں یہ درخت ہے تو میں وہاں جا کر اس بڈھے کے مرنے کی دعا کرتا۔

شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

باپ خوشی مناتا اور فخر کرتا ہے کہ میرا بیٹا بہت عقل مند ہے اور بیٹا طعنہ دیتا اور مذاق اڑاتا ہے کہ میرا باپ کھوسٹ اور بے وقوف ہو چکا ہے، سالہا سال گذر جاتے ہیں کہ بچے اپنے باپ کی قبر پر جانے کی زحمت تک نہیں کرتے، اگر ہم اپنے ماں باپ کے حقوق ادا نہیں کریں گے تو ہمیں اپنے بچوں سے بھی کوئی توقع نہیں رکھنی چاہئے۔

یہ عاجز کہتا ہے:

اس زمانے میں تو یہ وبا عام ہوگئی ہے کہ اولاد والدین کا نہ مقام پہچانتی ہے نہ خدمت وراحت رسانی کا حق ادا کرتی ہے، بالخصوص شادی کے بعد اپنے ماں باپ سے لاپرواہی عام سی بات ہوگئی ہے؛ یہ سب دین سے دوری اور تعلیماتِ اسلامی سے محرومی کی وجہ سے ہوتا ہے، سالکین کو چاہئے کہ اپنی عاقبت بہتر اور زندگی خوش حال دیکھنا چاہتے ہیں تو والدین کے ساتھ بہتر سلوک کریں اور بال بچوں کے حقوق بھی اعتدال واہتمام کے ساتھ ادا کرتے رہیں، اسلام حقوق کے ادا کرنے کا نام ہے خواہشات کی پیروی کا نہیں۔

(۶۸)

موت کے لئے ہر وقت تیار رہنا چاہئے

ایک دفعہ علماء کی ایک جماعت کے ساتھ دمشق کی جامع مسجد میں کسی موضوع پر بحث چل رہی تھی، اتنے میں ایک نوجوان ہمارے پاس آکر پوچھنے لگا، آپ لوگوں میں سے کسی کو فارسی زبان آتی ہے؟ لوگوں نے میری طرف اشارہ کیا، میں نے اس سے پوچھا: کیا بات ہے؟ اس نے کہا ایک ڈیڑھ سو سالہ بڑے میاں عالم نزع میں ہیں، اور فارسی زبان میں کچھ کہہ رہے ہیں، ہم لوگوں کو کچھ سمجھ میں نہیں آتا، ممکن ہے کوئی وصیت یا ضروری بات کہنا چاہتے ہوں؛ میں اس نوجوان کے ساتھ وہاں پہونچا تو دیکھا کہ ان کا آخری وقت ہے اور یہ کہہ رہے ہیں: ”میں چاہتا تھا کہ اپنی خواہشات پوری کرنے کے لئے چند دن اور جی لوں، مگر موت مہلت دینے کے لئے بالکل تیار نہیں ہے، افسوس! زندگی کے رنگا رنگ دسترخوان پر چند لقمے بھی لینے نہ پایا تھا کہ رُک جانے کا حکم مل گیا“ میں نے شامی لوگوں کو ان باتوں کا ترجمہ کرکے سنایا تو وہ لوگ حیران ہوگئے کہ اتنی لمبی عمر پاکر یہ افسوس کررہا ہے، پھر میں نے اس بڈھے سے پوچھا: اس وقت کیا کیفیت ہے؟ کہنے لگا: کیا تمہیں نہیں معلوم کہ اگر کسی

کا ایک دانت اکھاڑا جاتا ہے تو اس کو کس قدر تکلیف ہوتی ہے؟ بس اسی سے اندازہ کرلو کہ جس کے پورے جسم سے روح نکالی جارہی ہو اس پر کیا گذر رہی ہوگی، میں نے کہا: مرنے ورنے کا خیال دھیان سے نکالو، عقل مند لوگ کہتے ہیں صحت سلامت ہے تو بھی زندگی کا بھروسہ نہیں اور مرض خطرناک ہے تو بھی ہلاکت ضروری نہیں، اگر کہو تو طبیب کو بلالیا جائے تاکہ تمہارا علاج کرسکے؛ یہ سن کر اس نے آنکھ کھولی اور مسکراتے ہوئے کہنے لگا: جب کسی کو موت آتی ہے تو معالج آکے کیا کرسکتا ہے، وہ بھی کف افسوس ملتا رہ جاتا ہے۔

شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

دنیا کی بے ثباتی کا بھی عجیب حال ہے، ایک آدمی گھر کو رنگ روغن کرانے کی فکر میں ہوتا ہے جب کہ گھر کی بنیاد ہی کھوکھلی ہورہی ہوتی ہے، ایک بڈھا سکرات کی تکلیف سے تڑپ رہا ہوتا ہے اس کی بڑھیا اس کو صندل مل رہی ہوتی ہے، جب انسان کی مزاجی کیفیت تغیر پذیر ہوجاتی ہے تو نہ ہمت ہی سے کام چل سکتا ہے نہ علاج سے، یعنی موت آکر رہتی ہے۔

یہ عاجز کہتا ہے:

حدیث پاک میں آتا ہے کہ آدمی کی عمر جیسے جیسے بڑھتی رہتی ہے اس میں دو برائیاں جوان ہوتی رہتی ہیں، ایک حرص دوسرے طول امل، کہنے والے نے صحیح کہا۔

ہزار آرزوئیں ایسی کہ ہر آرزو پہ دم نکلے
بہت نکلے میرے ارماں پھر بھی کم نکلے

اب اس بوڑھے کو دیکھئے کہ ڈیڑھ سو سال عمر پائی تھی کیا کچھ عیش دنیا سے مستفید ہونے کا موقع ملا ہوگا، مگر مرتے وقت اس کا احساس یہ تھا کہ قسم قسم کی نعمتوں سے آراستہ دسترخوان دنیا پر چار لقمے بھی کھانے نہ پایا تھا کہ دسترخوان اٹھالیا گیا اور بس کردینے کا حکم مل گیا، یعنی لذاتِ دنیا سے بہت کم فائدہ اٹھا پایا تھا کہ موت نے آکر دبوچ لیا، جب ایسا ہے تو عقلمندی

وہی ہے جو عقل مندوں کے سردار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تعلیم دی ہے کہ مومن کا دنیا سے بس اتنا تعلق ہونا چاہئے جیسا راستہ چلنے والا مسافر تھکان اتارنے کے لئے تھوڑی دیر کسی سایہ دار درخت کے نیچے ٹھیر جاتا ہے، جب کچھ آرام کر لیتا ہے تو بخوشی اٹھ کر چل دیتا ہے، نہ اس درخت کے چھوٹنے کا غم نہ ساز و سامان جمع کرنے کی فکر، کیوں کہ منزل پر پہونچنے کی تمنا میں راستے کی کلفتوں کو بآسانی برداشت کیا جا سکتا ہے، بلکہ یہ مثال آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود اپنے حال کی بیان فرمائی ہے، اور اسی کی امت کو بھی تعلیم دی، اہل اللہ اور سالکین طریقت ہمیشہ دنیا سے جی لگانے سے بچتے رہے، یہ حضرات دنیا سے بقدر ضرورت علاقہ رکھتے ہوئے سارا دھیان اور پوری توجہ اپنے مالک اور وطن آخرت کی طرف رکھتے ہیں۔ حضرت خواجہ صاحبؒ فرماتے ہیں۔

بہر غفلت یہ تیری ہستی نہیں   دیکھ جنت اس قدر سستی نہیں
رہ گذر دنیا ہے یہ بستی نہیں   جائے عیش و عشرت و مستی نہیں

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے

(۶۹)

اولاد کو علم و ہنر سے آراستہ کرنا چاہئے

ایک دانش مند آدمی نے اپنے بچوں کو نصیحت کرتے ہوئے کہا: پیارے بچو! علم و ہنر حاصل کرو، اس لئے کہ دولت و اقتدار اعتماد کے لائق نہیں ہوتے، روپیہ پیسہ بھی بھروسے کے قابل نہیں ہوتا، یا تو چور اچانک چرا لے جاتے ہیں، یا حاکم تھوڑا تھوڑا کر کے وصول کر لیتا ہے، جہاں تک علم و ہنر کا تعلق ہے تو وہ پانی دینے والا چشمہ اور ہمیشہ رہنے والی دولت ہے، ہنر مند آدمی کی دولت لُٹ بھی جائے تو کوئی غم کی بات نہیں کہ ہنر خود اپنی ذات میں بہت بڑی

دولت ہے، ہنرمند اور علم وعقل والا آدمی جہاں کہیں جاتا ہے عزت ومنزلت پاتا ہے اور ہر کسی مجلس میں میر مجلس بن کر بیٹھتا ہے، اس کے برخلاف بے ہنر آدمی کو اگر کوئی مصیبت آجائے تو سوائے بھیک مانگنے اور ذلتیں اٹھانے کے اس کا کوئی مقدر نہیں ہوتا۔

شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

کسی زمانے میں ملک شام کے حالات بگڑ گئے تھے، ان دنوں بڑی اتھل پتھل ہوئی کوئی اپنی جگہ نہ رہ سکا، ایسی تبدیلی آئی کہ دیہاتیوں کی تعلیم یافتہ اولاد وزارت تک پہونچ گئی اور وزیروں کے بے ہنر بچے دیہاتوں میں بھیک مانگنے پر مجبور ہو گئے، واقعی حاکمیت کے بعد محکومی اور عیش وعشرت کے بعد تنگی وسختی ناقابل تحمل ہوتی ہے۔

یہ عاجز کہتا ہے:

اکثر دیکھا جاتا ہے کہ ماں باپ کے پاس دولت کی فراوانی اولاد میں عیش وعشرت کا مزاج پیدا کرتی ہے، جس کی وجہ سے وہ علم وہنر سے کورے اور دولت کے نشہ میں مست ہو کر عیاشی اور لذت اندوزی میں مگن رہتے ہیں، لیکن جب تقدیر کے فیصلے سے حالات بدل جاتے ہیں تو ان لوگوں کے لئے کوئی جائے پناہ نہیں ہوتی، بار بار دیکھا جاتا ہے کہ ایسے لوگوں کے بچے بالآخر مفلس ومحتاج ہو کر ذلت کی زندگی گذارنے پر مجبور ہو جاتے ہیں؛ برخلاف غریب اور متوسط لوگوں کے کہ وہ بچوں کو محنت کوشی وجفاکشی کا عادی بناتے ہیں، اور علم وہنر سے آراستہ ہونے کے راستے دکھاتے ہیں، جس کا نتیجہ بالآخر خوش حالی کی صورت میں سامنے آتا ہے؛ سالکین کو چاہئے کہ اگر اللہ نے انہیں مال ودولت کی فراوانی عطا فرمائی ہے تب بھی اور تنگی وعُسرت کی صورت حال میں بھی اپنے بچوں کو علم وہنر سے آراستہ کریں اور مشکلات ومجاہدات برداشت کرنا بھی سکھائیں، تاکہ بچے تنگی وفراوانی ہر حال میں خوش حال رہ کر اپنی آخرت کی فکر کر سکیں۔

(۷۰)

کسی پر طعن وطنز نہ کرنا چاہئے

ایک مالدار کے بچے کو میں نے دیکھا کہ اپنے باپ کی قبر پر بیٹھ کر ایک غریب زادے سے فخر وغرور کے ساتھ کہہ رہا تھا: میرے باپ کی قبر دیکھ کیسی شاندار ہے، مرمر اور قیمتی پتھروں سے اس کی تعویذ تیار کی گئی ہے، قیمتی اور خوب صورت کتبہ اس پر لگایا گیا ہے، یہ ہے اور وہ ہے، اور تیرے باپ کی قبر میں کیا دھرا ہے؟ بس دو اینٹیں لگا کر دو مٹھی مٹی چھڑک دی گئی ہے؛ غریب زادے نے اس کی ساری احمقانہ تقریر صبر سے سنی اور اس کے بعد کہا: تیرا باپ ان وزن پتھروں کے نیچے کروٹ بھی نہیں بدلنے پایا ہوگا کہ میرا باپ مٹی جھاڑ کر جنت میں پہونچ چکا ہوگا۔

شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

غریب آدمی جو تنگی وترشی کے ساتھ بے سروسامانی کی زندگی گذارتا ہے مرتے وقت اس کی روح بھی اسی طرح آسانی سے قبض ہوجاتی ہے، اور جو شخص نعمتوں اور راحتوں میں جیتا ہے اس میں شک نہیں کہ مرنا اس کے لئے کچھ زیادہ ہی گراں ہوجاتا ہے۔

یہ عاجز کہتا ہے:

قبروں کے اوپر خواہ کچھ بھی بنالیا جائے زمین کے نیچے عالم برزخ میں اس کا کوئی اثر نہیں ہوتا، قبر مرمریں ہو یا خاک کا تودہ اس سے کوئی مطلب نہیں، کیوں کہ برزخ کے سب کام نظام برزخ کے مطابق انجام پاتے ہیں؛ حکایت میں یہ سبق ملتا ہے کہ جو آدمی راضی بہ رضا رہتا اور حالات کی سختی وتنگی سے پست حوصلہ اور پژمردہ نہیں ہوتا وہ لوگوں کے طعنوں سے مرعوب نہیں ہوتا، اطمینان وتسلی بلکہ تعلّی وبرتری جتانے کی صورت بھی نکال لیتا ہے؛ خستہ حالی میں تکبر اور چیز ہے جو بری بلا ہے لیکن خستہ حالی میں اطمینان ورضا اور چیز ہے

جو پسندیدہ صفت اور حالِ اولیاء ہے، پس سالکین کو چاہئے کہ ہر حال میں راضی بہ رضا رہنے کی عادت ڈال لیں اور مشکل حالات کو اچھے محمل پر محمول کرنا سیکھ لیں۔ بقول حضرت پرتاب گڈھی ؒ

بے کیفی میں بھی ہم نے ایک کیفِ مسلسل دیکھا ہے
جس راہ سے وہ لے چلتے ہیں اس راہ کو اسہل دیکھا ہے

(۷۱)

ماتحتوں پر رحم وکرم سے کام لینا چاہئے

ایک بزرگ کا ایک ایسے مالدار کے پاس سے گذر ہوا جو اپنے غلام کے ہاتھ پیر بندھوا کر سزا دے رہا تھا، ان بزرگ نے اس شخص سے کہا: بیٹا! اللہ تعالیٰ نے تمہارے ہی جیسے ایک آدمی کو تمہارا پابندِ فرمان بنایا اور تمہیں اس کے اوپر حاکم بنا کے فضیلت بخشی اس کا تقاضہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اس احسان کا شکر ادا کر اور اس بندے پر ظلم مت کر، اگر کل قیامت کے دن اللہ کی نظر میں یہ تجھ سے بہتر ثابت ہوا تو تجھے شرمندگی اٹھانی پڑے گی۔

شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

غلاموں اور نوکروں پر رحم کرنا چاہئے، ان کی مجبوری کا فائدہ اٹھا کر ان پر ظلم وستم روا نہ رکھنا چاہئے، آخر یہ لوگ بھی تو تمہاری طرح انسان ہیں، بس اللہ نے انہیں تمہارا غلام بنادیا ہے تم نے اپنی قدرت سے انہیں پیدا نہیں کیا، اگر آج تم ان پر غالب ہو تو یہ کبھی نہ بھولو کہ کوئی اور یعنی اللہ پاک تمہارے اوپر غالب ہے۔

یہ عاجز کہتا ہے:

طاقت والوں کا کم زوروں کو آنکھیں دکھانا اور ان پر ظلم ڈھانا پرانا مرض ہے، آج بھی ہر طاقت ور یہ کہتا پھر رہا ہے مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً مجھ سے بڑھ کر کون طاقت ور ہے؟ اور یہ

کہتے وقت اس حقیت کو بھول جاتا ہے اَلَّذِیۡ خَلَقَهُمۡ هُوَ اَشَدُّ مِنۡهُمۡ قُوَّةً یعنی جس قدرت والی ذات نے ان کو پیدا کیا، عدم سے وجود بخشا کم از کم وہ تو ان سے زیادہ طاقتور ہے، اس کا انکار تو نہیں کر سکتے، پھر اس سے ڈرتے کیوں نہیں؟ بڑے پن کی زینت دار و گیر اور زجر و توبیخ نہیں ہوتی بلکہ عفو و درگذر اور رحم و کرم ہوتی ہے، اس لئے سالکین کو چاہئے کہ اگر اللہ تعالیٰ انہیں اپنے بندوں پر حاکم و قادر بنائے تو وہ اپنے چھوٹوں اور کمزوروں پر ظلم و ستم نہ ڈھائیں بلکہ ان کے ساتھ احسان و کرم اور عفو و درگذر کا معاملہ کریں۔

(۷۲)

اپنے اندر بندگی کی شان پیدا کرنا چاہئے

بچپن میں ایک دفعہ میں نے کسی بزرگ سے بلوغ کی تعریف پوچھی، انہوں نے فرمایا: کتابوں میں تین علامتیں لکھی ہیں، ایک یہ کہ پندرہ سال عمر ہو جائے، دوسرے احتلام ہو جائے، تیسرے زیر ناف بال اُگ آئیں؛ یہ ظاہری علامات ہیں اور فی الحقیقت دیکھا جائے تو بلوغ اور پختگیٔ عقل یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کا لحاظ اس سے زیادہ ہو جائے جتنا کہ آدمی اپنے نفس کی خواہشات کا لحاظ کرتا ہے، جس شخص میں یہ کیفیت پیدا نہ ہو محقق صوفیا اسے بالغ نہیں کہتے اگرچہ فقہاء کے نزدیک بالغ شمار ہو جاتا ہے۔

شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ایک ناپاک قطرہ چالیس دن ماں کے پیٹ میں قرار پانے کی وجہ سے آدمی کی شکل اختیار کر لیتا ہے، اور اگر عاقل و بالغ چالیس برس کی عمر تک بھی تہذیب و آدمیت نہیں سیکھ سکتا تو اسے آدمی نہیں کہا جا سکتا، کیونکہ اصل میں آدمیت شجاعت و محبت کو کہتے ہیں، محض اس ڈھانچے کو آدمی نہیں کہتے، آدمی کے اندر اگر انسانیت اور تہذیب و ادب نہیں ہے تو اس میں اور دیوار پر بنی تصویر میں کوئی فرق نہیں ہے۔

یہ عاجز کہتا ہے:

ایک اور بزرگ سے اسی سوال کا جواب اس طرح منقول ہے کہ شریعت کی نظر میں آدمی اس وقت بالغ ہوتا ہے جب اس سے منی نکلے یعنی احتلام ہونے لگے، اور طریقت کے اعتبار سے سالک اس وقت بالغ کہلاتا ہے جب وہ منی سے نکلے، یعنی انانیت ختم ہوکر فنائیت پیدا ہوجائے؛ اس جواب میں پہلی منی عربی کا لفظ ہے دوسری منی فارسی کا مرکب ہے، ظاہری مناسبت سے لطیف نکتہ بن گیا ہے اور فہم سے قریب تر ہوگیا ہے؛ حاصل یہ ہے کہ راہِ خدا کے سالکین کو سب سے پہلے انانیت اور عجب و خود پسندی سے دست بردار ہوجانا چاہئے، اس کے بغیر اس راہ میں دو قدم بھی چلنا مشکل ہے۔

(۷۳)

والدین کے ساتھ گستاخی سے ڈرتے رہنا چاہئے

طب کی کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ بچھو کی پیدائش دیگر حیوانات کی طرح نہیں ہوتی، بلکہ جب وہ ماں کے پیٹ میں وجود پاجاتے ہیں تو ماں کے پیٹ میں جو کچھ ہے وہ سب کھا کر صاف کردیتے ہیں اور پیٹ پھاڑ کر باہر نکل آتے اور صحرا میں پھیل جاتے ہیں، بچھوؤں کے بلوں میں اور اس کے آس پاس جو خول نظر آتے ہیں یہی ان کی مائیں ہوتی ہیں؛ میں نے ایک دفعہ یہ بات ایک بزرگ کے سامنے بیان کی، انہوں نے فرمایا: میرا ضمیر بھی اس بات کی تصدیق کرتا ہے کہ ایسا ہی ہونا چاہئے، بچپن میں ماں کے ساتھ ایسا سلوک کرنے ہی کا نتیجہ معلوم ہوتا ہے کہ بڑے ہونے کے بعد جہاں جاتے ہیں جوتے چپل سے استقبال کئے جاتے ہیں۔

شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

مثل مشہور ہے کہ بچھو سے پوچھا گیا کہ سردی میں باہر کیوں نہیں نکلتا؟ جواب دیا کہ

گرما میں نکلنے پر کونسی عزت ملتی ہے جو سرما میں بھی باہر نکلوں؛ ایک باپ نے بیٹے کو نصیحت کی کہ بیٹا! یہ بات یاد رکھنا کہ جو شخص اپنے بڑوں اور رشتہ داروں سے بے وفائی کرتا ہے اس کے ساتھ کوئی وفاداری نہیں کرتا۔

یہ عاجز کہتا ہے:

عبرت واضح ہے کہ والدین کو اذیت دینے اور تکلیف پہونچانے والا آدمی کبھی سرخ رو نہیں ہوسکتا، اور بالآخر اس کا انجام بھی اس کی اولاد کے ذریعے وہی ہوتا ہے جو اس نے اپنے ماں باپ کا کیا ہے، بہت ڈرنے کا مقام ہے، کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ اور گناہوں کی سزا کے لئے تو قیامت تک مہلت دیتے ہیں مگر ظلم اور والدین کی نافرمانی کی سزا میں قیامت کا انتظار نہیں فرماتے اسی دنیا میں سزا شروع ہوجاتی ہے، پس سالکین وصالحین ہمیشہ اپنے والدین کی عزت، خدمت اور راحت کا دھیان رکھا کریں، ان کی دعائیں لیا کریں تاکہ اس دنیا میں اپنی اولاد کے سوہانِ روح بن جانے سے بچ جائیں اور آخرت میں حق تعالیٰ کی ناراضگی سے محفوظ رہ سکیں۔

(۷۴)

ماتحتوں کی تربیت دوراندیشی سے کرنی چاہئے

ایک عالم شہزادے کی تعلیم وتربیت پر مامور تھے، وہ شہزادے کو بہت ڈانٹتے اور سخت سزا دیا کرتے تھے، ایک دن شہزادے نے اپنے والد (بادشاہ) کے سامنے آکر اس سختی کی شکایت کی اور کپڑا ہٹا کر بدن پر پٹائی کے نشانات دکھائے، یہ دیکھ کر بادشاہ کا دل بھر آیا، اس نے استاذ کو طلب کر کے مواخذہ کیا کہ آپ رعایا کے بچوں کے ساتھ ایسی سختی نہیں برتتے جتنا میرے بیٹے کے ساتھ برتتے ہیں، اس کی وجہ کیا ہے؟ استاذ نے جواب دیا: حضور! اچھے اخلاق اور اچھی گفتگو کا سلیقہ اسی طرح سوچ سمجھ کر بات کرنے جیسی خوبیوں کی ضرورت اگرچہ

سب کو ہے مگر بادشاہوں کے لئے اورزیادہ ضروری ہے، اس لئے کہ بڑے لوگوں کی زبان سے جو بات بھی نکلتی ہے دیکھتے ہی دیکھتے پھیل جاتی ہے، اس کے برخلاف عوام الناس کے قول وفعل کو کوئی اہمیت نہیں دی جاتی، اس لئے شہزادوں کے معلم پر لازم ہے کہ ان کی تعلیم و تربیت اورتہذیب واخلاق کی طرف خصوصی توجہ دے تاکہ ان میں کوئی نقص نہ رہ جائے، اس لئے میں آپ کے بچے پر زیادہ سختی کرتا ہوں؛ بادشاہ کو معلم کا یہ جواب مناسب معلوم ہوا، انعام واکرام دے کر رخصت کردیا۔

شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

درویش میں سو عیب ہوتے ہیں تو اس کے ساتھی ان میں سے ایک بھی نہیں جانتے، یعنی کچھ دھیان نہیں دیتے، اس کے برخلاف بادشاہ کا ایک عیب ظاہر ہوتا ہے تو ملکوں ملکوں پہونچ جاتا ہے، اس لئے سلاطین اور مرتبے والے لوگوں کی تربیت کی بہت ضرورت ہوتی ہے، جو طالب علم استاذ کی سختی کو برداشت نہیں کرتا اسے سارے زمانے کا ظلم برداشت کرنا پڑتا ہے۔

یہ عاجز کہتا ہے:

بادشاہوں اور حاکموں کی طرح علماء ومشائخ کو بھی چاہئے کہ اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت اورتہذیب واخلاق کو بہتر سے بہتر بنانے کی فکر کریں، کیوں کہ ان کی اولاد کو تہذیب وادب کی ضرورت شہزادوں اور نواب زادوں سے زیادہ ہوتی ہے، آج کل صورتِ حال عام طور سے اس کے برخلاف ہے، علماء ومشائخ کی اہل وعیال کے ساتھ بے جا رعایتیں اور عقیدت مندوں کی غالی عقیدتیں اکابرزادوں کے دماغ ساتویں آسمان پر پہونچادیتے ہیں، جس کی وجہ سے ان کے اخلاق واعمال فاسد ہوتے چلے جاتے ہیں، بدعتی مشائخ کے ہاں تو یہ عام سی بات تھی اب اہل حق کے ہاں بھی اس سے کچھ مختلف حال نہ رہا، خواص امت کو اس امر کی طرف خاص توجہ دینی چاہئے۔

(۷۵)

بڑوں کی نصیحت کی قدر کرنی چاہئے

ایک بزرگ زادے کو اپنے چچا کے ورثے سے کافی دولت مفت حاصل ہوگئی تھی، جب بیٹھے بٹھائے اتنی بڑی دولت ہاتھ لگ گئی تو وہ آپے سے باہر ہوگیا اور بے حساب اخراجات میں پڑ گیا، ہر گناہ میں مبتلا ہوگیا، شراب نوشی بھی شروع کردیا، اسی کے ساتھ غرباء پروری اور خیر خیرات بھی خوب کرر ہا تھا؛ میں نے ایک دن اس کو محبت سے سمجھایا کہ دیکھو بیٹا! یہ دولت تمہاری مستقل آمدنی نہیں ہے جو تمہارے کاروبار اور تجارت سے حاصل ہورہی ہے، اتفاق سے مل گئی اس دولت کو احتیاط اور عقل مندی سے استعمال کرو، اسراف و تبذیر کے نتیجے میں جب یہ ختم ہوجائے گی تو تمہارے پاس چوں کہ آمدنی کا کوئی اور ذریعہ نہیں ہے اس لئے سخت مشکل میں پھنس جاؤ گے، مگر اس لڑکے کو دولت وعشرت کے نشے میں میری یہ نصیحت اچھی نہیں لگی، کہنے لگا: آنے والی پریشانیوں کے اندیشے کی وجہ سے موجودہ راحت ولذت کی ناقدری کوئی عقل مندی کی بات نہیں، میں تو ویسے بھی جودوسخاوت میں معروف ہوچکا ہوں، اب ہاتھ روکنا میرے لئے بہت مشکل ہے، جب تک یہ دولت ہے مزے کریں گے آگے جو ہوگا دیکھا جائے گا؛ میں نے جب دیکھا کہ میرا سمجھانا اس کو برا لگ رہا ہے اور کچھ نفع نہیں ہورہا ہے تو میں نے بولنا چھوڑ دیا اور اس سے تعلقات بھی ختم کرلئے کہ وہ جانے اس کا عمل!، بڑوں نے کہا ہے بلّغ ما علیک فان لم یقبلوا ما علیک یعنی جو تمہارے ذمے ہے وہ لوگوں تک پہونچا دو اگر وہ قبول نہ کریں تو تمہاری کوئی ذمہ داری نہیں، کچھ مدت کے بعد میں نے اس کا وہی حال دیکھ لیا جس کا اندیشہ تھا، بے چارہ پیوند پر پیوند لگاتا اور دانہ دانہ جوڑ کے رکھتا تھا، اس لئے کہ آمدنی کا کوئی ذریعہ نہ تھا اور جو کچھ ورثے میں مل گیا تھا سب لٹا چکا تھا، یہ حالت دیکھ کر مجھے اس پر بہت ترس آیا، جی نہ چاہا کہ مزید کچھ کہہ

کے اس کے زخموں پر نمک چھڑکوں، اس لئے خاموشی اختیار کرلیا۔

شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

کسی کے نہ ماننے کا اندیشہ ہے تب بھی تمہیں جو بھلی بات معلوم ہے، بتادو، جب وقت آئے گا تو کف افسوس ملتا ہوا کہے گا، کاش میں نے سمجھانے والے کی بات مان لی ہوتی؛ آمدنی کم ہو اور اخراجات زیادہ تو سوائے مفلسی اور محتاجی کے اور کچھ میسر نہیں آتا، ملاح لوگوں کی کہاوت ہے، پہاڑوں پر اگر بارش نہ ہو تو دریائے نیل سال بھر میں خشک ندی بن جائے گا۔

یہ عاجز کہتا ہے:

علامہ سید سلیمان ندویؒ فرماتے ہیں کہ: ستر برس کے تجربے کے بعد یہ نکتہ بیان کر رہا ہوں کہ ترقی آمدنی بڑھانے کا نام نہیں خرچ گھٹانے کا نام ہے، حکیم لقمانؒ کی نصائح میں ہے کہ آمدنی کے مطابق خرچ کیا کرو؛ آمدنی خواہ کتنی بھی ہو آدمی جب تک اخراجات پر قابو نہیں پاتا محتاجی سے نجات ممکن نہیں ہوتی ہے، اس لئے سمجھدار آدمی کو چاہئے کہ وہ ہمیشہ اعتدال کے راستے پر قائم رہے، حدیث پاک میں ہے کہ اخراجات میں میانہ روی آدھی آمدنی ہے، قرآن کریم کہتا ہے: کھاؤ پیو مگر اسراف نہ کرو، یعنی حد اعتدال سے تجاوز نہ کرو۔

حکمتِ سعدی

گلستان کا آٹھواں باب اقوالِ زریں یا کلماتِ حکمت پر مشتمل ہے، بڑے تجربے اور کام کی باتیں ہیں، اس عاجز نے ان تمام حکیمانہ باتوں کا نمبر وار ترجمہ کر دیا ہے؛ یہ جملہ ۲۷ حکمتیں ہیں، اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ آمین

حکمت (۱)

مال زندگی کی راحت کے واسطے ہوتا ہے، زندگی مال جمع کرنے کے واسطے نہیں ہوتی، لوگوں نے ایک عقل مند سے خوش نصیبی اور بدبختی کی تعریف معلوم کی، انہوں نے کہا: خوش نصیبی یہ ہے کہ آدمی اپنے مال کے ذریعہ ضروریات پوری کرے اور خیر خیرات کرکے آخرت کی کھیتی تیار کرلے، اور بدنصیبی یہ ہے کہ زندگی بھر مال جوڑتا رہے نہ خود کھائے نہ ذخیرۂ آخرت بنائے۔

حکمت (۲)

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قارون کو نصیحت فرمائی تھی کہ اَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ یعنی جس طرح تجھ پر اللہ تعالیٰ نے فضل فرما کر یہ مال و دولت عطا فرمائی ہے تو بھی غریبوں اور کمزوروں پر رحم کرکے اپنا مال ان پر صرف کر، مگر اس نے اپنے پیغمبر کی بات نہیں مانی، پھر جو انجام ہوا سب کو معلوم ہے کہ اللہ نے اس کو اس کے خزانوں ہی میں دھنسا دیا؛ اسی وجہ سے عربوں کا مقولہ ہے، لوگوں پر احسان کرو اور بھول جاؤ یعنی احسان جتاؤ مت

تب جاکے اس احسان کا بدلہ تمہاری طرف لوٹے گا، یعنی تمہاری آخرت بنے گی اور دنیا بھی بھلی ہوگی۔

حکمت (۳)

دو آدمی ایسے ہیں کہ ان کی محنت ضائع اور ان کی خوشی ختم ہو جاتی ہے، ایک وہ شخص جس نے کمایا مگر فائدہ نہیں اٹھایا دوسرے وہ جس نے علم حاصل کیا مگر عمل نہیں کیا؛ تم چاہے کتنا بھی علم حاصل کرلو اگر اس پر عمل نہیں کروگے تو جاہل ہی شمار ہوگے، ایسے شخص کو نہ تو عالم کہا جاسکتا ہے نہ عقل مند؛ ایسا شخص اس گدھے کے مانند ہے جس پر کتابیں لدی ہوئی ہوں، کیوں کہ اسے کچھ پتہ نہیں ہوتا کہ اس پر کتابیں رکھی ہوئی ہیں یا لکڑیوں کا گٹھرا، بس یہی حال عالم بے عمل کا ہوتا ہے۔

حکمت (۴)

علم، دین کی حفاظت کے لئے حاصل کرنا چاہئے نہ کہ اس کے ذریعہ دنیا کمانے کے لئے؛ جو شخص علم وتقویٰ اور پرہیز گاری کو بیچتا ہے یعنی اس کو کسب دنیا کا سبب بناتا ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی لکڑیوں کا ذخیرہ اکٹھا کر کے اس میں آگ لگادے، بے عمل عالم اندھا مشعل بردار ہے کہ اس کی روشنی سے اوروں کو تو راستہ مل جاتا ہے مگر خود اسے راستہ نظر نہیں آتا۔

حکمت (۵)

دانشوروں سے ملک کی عزت بڑھتی ہے اور دینداروں سے مذہب کا مقام کھلتا ہے، بادشاہوں کو دانشوروں کے مشوروں اور راہنمائی کی اس سے زیادہ ضرورت ہوتی ہے جتنی کہ دانشوروں کو بادشاہ کی عنایتوں کی ضرورت ہوتی ہے؛ بادشاہوں اور حاکموں کو چاہئے کہ کام دانشوروں سے لیا کریں، نادانوں کے ذمے اگر حکومت چلی جائے گی تو بجز نقصان اور ذلت کے کچھ نہیں ملے گا۔

حکمت(٦)

تین چیزیں تین چیزوں کے بغیر باقی نہیں رہتیں: مال تجارت کے بغیر، علم بحث ومباحثہ کے بغیر اور ملک سیاست کے بغیر؛ سیاست یہ ہے کہ موقع محل کو سامنے رکھ کر کام کرنا اور فرقِ مراتب کو ملحوظ رکھنا، جہاں نرمی کی ضرورت ہو وہاں سختی نہیں کرنا چاہئے جہاں سختی مناسب ہو وہاں نرمی سے کام نہ لینا چاہئے۔

حکمت(۷)

برے لوگوں پر رحم کرنا نیک لوگوں پر ظلم کرنے کے مترادف ہے، ظالموں کو معاف کردینا مظلوموں اور کمزوروں پر ستم ڈھانا ہے؛ اگر ہم بدبخت وبدکار آدمی پر کرم واحسان کریں گے تو وہ ہماری دولت ومدد سے فواحش اور جرائم کا ارتکاب کرنے لگے گا۔

حکمت(۸)

بادشاہوں کی دوستی پر اور بچوں کی آواز پر اعتماد نہ کرنا چاہئے، بادشاہ کی دوستی ایک خیال میں یعنی ذرا ناگواری ہوتی ہی ختم ہوجاتی ہے، اور بچوں کی آواز ایک خواب میں یعنی بالغ ہوتے ہی بدل جاتی ہے۔

حکمت(۹)

ہزار عاشقوں والے معشوق سے جی نہیں لگانا چاہئے اور اگر کوئی لگائے تو پھر اس کو کسی وقت بھی جدائی ودشمنی کے لئے تیار رہنا چاہئے۔

حکمت(۱۰)

دوست خواہ کتنا ہی مخلص کیوں نہ ہو اپنے تمام راز اس کو نہیں بتادینا چاہئے، نہ معلوم کبھی دشمنی ہوجائے اور وہ کوئی نقصان پہونچا بیٹھے؛ اسی طرح دشمن کے بالکل ہی پیچھے پڑ کے ذلیل

ورسوانہیں کرنا چاہئے، کیا پتہ کبھی دوست ہوجائے اور شرمندگی اٹھانی پڑے؛ اسی طرح جس راز کو تم راز ہی رکھنا چاہتے ہو اس کا افشاء مناسب نہیں سمجھتے وہ کسی پکّے سے پکّے دوست کو بھی نہ بتاؤ، اس لئے کہ پھر اس کے بھی دوست ہیں، یوں شدہ شدہ راز راز نہیں رہ جائے گا، کسی سے اپنا راز بتلا کر یہ کہنا کہ کسی اور سے نہ بتانا انتہائی بے وقوفی کی بات ہے۔

حکمت (۱۱)

کمزور دشمن اگر دوستی کرنا چاہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ مضبوط دشمن بننا چاہتا ہے، پہلے لوگ کہتے تھے کہ جب دوستوں کی دوستی پر اعتماد کرنا مشکل ہے تو دشمن کی چاپلوسی پر کیا اعتماد کیا جاسکتا ہے؛ جو شخص کمزور دشمن کی پرواہ نہیں کرتا وہ ایسا ہے جیسے کوئی تھوڑی آگ کی پروا نہ کرے، حالانکہ ایک چنگاری بھی آگ لگادینے کے لئے کافی ہوجاتی ہے۔

حکمت (۱۲)

دو دشمنوں کے درمیان بات کرنا پڑے تو بہت احتیاط سے اور اس طرح کرنا چاہئے کہ اگر وہ دوست ہوجائیں تو تمہیں شرمندگی اٹھانی نہ پڑے؛ دو دشمنوں کے درمیان جب نار عداوت بھڑک رہی ہو تو جو شخص ان کی عداوت اور بھڑکانے کی کوشش کرتا ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی بھڑکتی آگ میں ایندھن بڑھا رہا ہو، کبھی ان دونوں کی عداوت ختم ہوکر باہم دوست ہوجائیں تو دونوں کے نزدیک یہ تیسرا شخص دشمن قرار پائے گا، اس لئے یہ عقل مندی کی بات نہیں ہے کہ دشمنوں کی آگ بھڑکا کر اپنے کو اس میں جلالیا جائے۔

حکمت (۱۳)

جب کسی مسئلے میں تردد ہوجائے تو اس پہلو کو اختیار کرلو جس میں اپنا ضرر نہ ہو، مثلاً کچھ بات کہنی ہے تو نرم کہو سخت نہ کہو، یا اگر سامنے والا صلح پر آمادہ ہے تو لڑائی اور جنگ جوئی کا پہلو مت اختیار کرو، کوئی کام پیسے سے نکل سکتا ہے تو جان کو خطرہ میں مت ڈالو، عربوں کا مقولہ

ہے ''تلوار اٹھانا آخری تدبیر ہے'' یعنی جب تک کوئی اور طریقے سے کام نکل سکتا ہے تلوار نہیں اٹھانا چاہئے۔

حکمت (۱۴)

دشمن کی کمزوری پر ترس مت کھاؤ، اگر طاقتور ہو جائے گا تو تم پر رحم نہ کرے گا، دشمن کی نصیحت قبول کرنا نادانی ہے البتہ سن لینے میں کوئی حرج نہیں ہے کہ منصوبہ بندی میں اس کے خلاف کر کے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے، اگر دشمن تیر کی طرح سیدھا راستہ دکھائے تو بھی وہ راستہ چھوڑ کر دوسرا اختیار کرلو کہ اسی میں عافیت و خیریت ہے۔

حکمت (۱۵)

جو شخص کسی ظالم اور نقصان دہ آدمی کو ختم کر دیتا ہے تو مخلوق اس کی بلا سے محفوظ ہو جاتی ہے اور وہ خود عذاب خدا سے محفوظ ہو جاتا ہے؛ رحم و کرم اچھی چیز ہے مگر لوگوں پر ظلم کرنے والے کے تو زخم پر مرہم رکھنا بھی گناہ ہے، ظاہر ہے کہ جو شخص سانپ پر رحم کرتا ہے وہ بنی آدم پر ظلم کرتا ہے۔

حکمت (۱۶)

حد سے زیادہ غصہ وحشت پیدا کرتا ہے اور بے موقع لطف و کرم آدمی کے وقار کو کھو دیتا ہے، کسی پر نہ اتنی سختی کرو کہ وہ تم سے بیزار ہو جائے نہ اتنی مہربانی کرو کہ جری و بے باک ہو جائے؛ ایک نوجوان نے اپنے باپ سے کہا مجھے اپنے تجربات کی روشنی میں ایک مختصر سی نصیحت کیجئے، باپ نے کہا: لوگوں کے ساتھ مہربانی کا معاملہ کرو مگر اتنا نہیں کہ وہ تم ہی پر جری ہو جائیں اور دانت پیسنے لگیں۔

حکمت (۱۷)

بے علم بادشاہ ملک کا اور بے علم زاہد دین کا دشمن ہوتا ہے؛ بادشاہ کو چاہئے کہ دشمنوں پر اس قدر سختی نہ کرے کہ دوستوں کا اعتماد اٹھ جائے، غصے کی آگ غصہ کرنے والے کو تو جلا ہی دیتی ہے، خواہ جس پر غصہ کیا گیا ہے اس تک پہونچے یا نہ پہونچے۔

حکمت (۱۸)

جس بات کے بارے میں پتہ ہو کہ اس سے کسی کا دل دکھے گا تو تم اس بارے میں خاموشی اختیار کرلو تاکہ یہ بات اُس تک کسی اور کے ذریعہ پہونچ جائے، کہنے والے نے اچھی بات کہی ہے کہ بلبل خود تو اچھی خبر لاتا ہے اور بری خبریں منحوس الّو کے لئے چھوڑ دیتا ہے۔

حکمت (۱۹)

بڑوں کے پاس کسی کی شکایت اس وقت تک مت کرو جب تک کہ اس کا ثابت ہونا یقینی نہ ہو جائے، بصورت دیگر یعنی سنی سنائی اور غیر معتبر شکایات کا نتیجہ اپنی ہلاکت کی صورت میں ظاہر ہوگا، اس لئے ہر کام ہمیشہ سوچ سمجھ کر کرنا چاہئے۔

حکمت (۲۰)

خودرائی اور اپنی مرضی سے کام کرنے والے نادان کو نصیحت کرنے والا خود اپنی نصیحت کا محتاج ہے، کیوں کہ جیسے وہ نادان ہے یہ بھی احمق ہے، احمق تعریف کرنے سے خوشی میں ایسا پھول جاتا ہے جیسے لاش سڑ کر موٹی ہو جاتی ہے، اس لئے نہ تعریف کرنے والے کی تعریف سے دھوکہ کھانا چاہئے نہ دھوکہ دینے والے دشمن کے فریب میں آنا چاہئے؛ حریص اور لالچی آدمی اپنی غرض برآری کے لئے جھوٹی تعریفوں کے انبار لگاتا ہے، پھر اگر کبھی اس کی غرض پوری نہ ہو تو اتنی ہی مذمت اور برائی کرتا ہے جتنا کہ تعریف کیا کرتا تھا۔

حکمت (۲۱)

بولنے والے کی جب تک کوئی غلطی نہیں پکڑتا اصلاح نہیں ہوتی، اپنی خوش گفتاری پر جاہلوں کی تعریف سے مطمئن اور مغرور نہ ہونا چاہئے؛ ہر آدمی کو اپنی عقل سب سے زیادہ کامل نظر آتی ہے جیسا کہ ہر شخص کو اپنا بچہ سب سے زیادہ خوبصورت لگتا ہے، اسی لئے نادانوں کی تعریف سے پھولنے کے بجائے سمجھداروں کی تنقید کی قدر کرنی چاہئے، اسی سے عیوب درست ہوتے ہیں۔

حکمت (۲۲)

دس آدمی ایک دستر خوان پر کھانا کھا لیتے ہیں مگر دو کتے ایک مردار پر جمع نہیں ہو پاتے لڑائی شروع کر دیتے ہیں؛ حرص بری بلا ہے، لالچی آدمی پوری دنیا کے مل جانے سے بھی راضی نہیں ہوتا اور قناعت پسند آدمی ایک روٹی پر بھی مطمئن ہو جاتا ہے؛ اسی لئے عقل مندوں نے کہا ہے کہ قناعت کے ساتھ درویشی دولت کے ساتھ مالداری سے بہتر ہے؛ بھوکی آنت ایک خشک روٹی سے بھر جاتی ہے مگر لالچی آنکھ روئے زمین کے خزانوں سے بھی پُر نہیں ہوتی۔

حکمت (۲۳)

بہت سے کام ایسے ہوتے ہیں جو صبر و ہمت سے پورے ہو جاتے ہیں، جب کہ جلدی مچانے والا ناکام و نامراد ہو جاتا ہے، میں نے خود صحراؤں میں بار بار دیکھا ہے کہ دوڑنے والے کے مقابلے میں اطمینان سے چلنے والا جلدی پہونچ گیا، دوڑنے والے گھوڑے تھک ہار کے راستے ہی میں رک گئے اور اطمینان سے جانے والا اونٹ منزل پر پہونچ گیا۔

حکمت (۲۴)

جاہل آدمی کے لئے خاموشی سے بہتر کچھ نہیں کہ اسی میں اس کی عزت محفوظ ہے، کیوں کہ جو جاہل شخص علم وفضل والوں سے اپنی قابلیت جتانے کے لئے بحث کرتا ہے اس کا جہل اور عیاں ہو جاتا ہے، علم وفضل والے گفتگو کر رہے ہوں تو اس میں دخل دینا اور گفتگو کرنا بالکل مناسب نہیں ہے؛ اسی طرح جو شخص کسی سوال کا جواب دینے میں غور وفکر اور تامل نہیں کرتا اس کا جواب اکثر غلط ہوتا ہے، اس لئے آدمی کو چاہئے کہ یا تو سوچ سمجھ کر بات کرنے کی عادت ڈال لے یا خاموش رہنا سیکھ لے؛ ایک بے وقوف آدمی گدھے کو تعلیم دے رہا تھا، کسی بزرگ نے دیکھا تو فرمایا، جانور تو تجھ سے بولنا نہیں سیکھے گا البتہ یہ بہتر ہے کہ تو اس سے چپ رہنا سیکھ لے۔

حکمت (۲۵)

برے لوگوں کی صحبت اور دوستی سے دور رہو، جو شخص بروں کی صحبت اختیار کرتا ہے اسے کوئی بھلائی نصیب نہیں ہوتی، کہتے ہیں کہ فرشتہ صفت آدمی بھی شیطان مزاج کے ساتھ رہے گا تو شیطانیت وشرارت ہی سیکھے گا، بھیڑئے کو کپڑے پھاڑنا ہی آتا ہے سینا نہیں آتا۔

حکمت (۲۶)

لوگوں کے عیب معلوم ہو جائیں تو چھپاؤ، پھیلاؤ نہیں، کیوں کہ اس سے وہ لوگ تو رسوا ہوں گے ہی تمہارا اعتماد بھی ختم ہو جائے گا، اس لئے کہ جو آدمی دوسروں کی برائی کرتا ہے اس پر کوئی اعتماد نہیں کرتا۔

حکمت (۲۷)

جو عالم عمل نہیں کرتا اس کی مثال اس کاشت کار کی ہے جو کھیت میں ہل چلا کر کاشت

کے لئے تیار کرلے مگر اس میں دانہ نہ ڈالے، جس طرح اس کو کھیت سے کچھ نہیں مل سکتا اسی طرح بے عمل عالم کو اس کے علم سے کچھ حاصل نہیں ہوتا؛ یاد رکھو! جیسے بے مغز چھلکے کی کوئی قیمت نہیں ہوتی اسی طرح بد عمل عالم کا کوئی مقام نہیں بنتا۔

حکمت (۲۸)

اگر ہر شب شب قدر ہوتی تو لوگوں کے دل میں شب قدر کی کوئی قدر نہ ہوتی، جیسے اگر تمام پتھر لعل و گُہر ہو جاتے تو لعل اور پتھر کے ٹکڑے کی قیمت برابر ہوتی۔

حکمت (۲۹)

ہر نیک نظر آنے والا آدمی ضروری نہیں ہے کہ سیرت و اخلاق میں بھی ایسا ہی ہو، آدمی کے علم و فضل کا پتہ تو ایک دن میں چلا لیا جا سکتا ہے مگر اخلاق اور مزاج کا حال برسوں میں بھی معلوم نہیں ہو پاتا، بہت سے خوبصورت اور فریب نظر لباس ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے اندر نانی، دادی چھپی ہوتی ہے، یعنی خوب صورت برقعے سے دھوکہ مت کھاؤ، نہیں معلوم کہ اس کے اندر کوئی جوان حسینہ ہے یا کھوسٹ بڑھیا! خلاصہ یہ ہے کہ لوگوں کے صرف ظاہری حالت پر اعتماد کرنے کے بجائے ان کی مزاج و مذاق کا اطمینان کر لینا زیادہ سمجھداری کی بات ہے۔

حکمت (۳۰)

بڑوں سے ٹکّر لینے کی کوشش نہ کرو، اس سے سوائے ذلت و رسوائی کے اور کچھ ہاتھ نہ آئے گا، جو شخص سینگوں والے مینڈھے سے سر لڑائے گا بہت جلد اپنا سر پھوڑ والے گا، شیر سے پنجہ آزمانا اور تلوار کو مٹھی میں لینے کی کوشش کرنا عقل مندوں کا کام نہیں ہے، اپنے سے زیادہ طاقتور آدمی سے مقابلہ کرنا اپنے دشمن کی مدد کرنا ہے، یعنی خود نقصان اٹھانا ہے۔

حکمت (۳۱)

جو شخص بڑوں کی نصیحت سننا نہیں چاہتا وہ دراصل اپنے کو ذلیل دیکھنا چاہتا ہے؛ بے ہنر و نالائق لوگ عقل و ہنر والوں کو دیکھ کر جلتے ہیں، جیسے بازاری کتے شکاری کتوں کو دیکھ کر گھبرانے اور بھونکنے لگتے ہیں مگر سامنا نہیں کرتے اور مقابلے سے ڈرتے ہیں؛ وہی شخص اہل کمال کی غیبت کرتا ہے جس کو ان سے گفتگو کی ہمت نہیں ہوتی۔

حکمت (۳۲)

اگر پیٹ کا مسئلہ نہ ہوتا تو کوئی پرندہ شکاری کے جال میں نہ پھنستا، بلکہ شکاری خود بھی جال نہ بچھاتا، کیوں کہ اس کا مقصد بھی پیٹ کا مسئلہ ہی ہے، پیٹ ہی آزاد آدمی کے ہاتھ کی کڑی اور پیروں کی بیڑی بن جاتا ہے، اسی لئے پیٹ کا پجاری کبھی خدا کی بندگی نہیں کر پاتا۔

حکمت (۳۳)

کہا جاتا ہے کہ عقل مند لمبے وقفے کے بعد کھانا کھاتا ہے، عبادت گذار مختصر غذا لیتا ہے، درویش جینے کے بقدر پر اکتفا کر لیتا ہے، نوجوان برتن اٹھانے تک کھاتا رہتا ہے اور بوڑھے لوگ پسینہ نکلنے تک کھینچتے رہتے ہیں، اور جہاں تک بے کار لوگوں کا معاملہ ہے تو وہ اس قدر کھاتے ہیں کہ معدہ میں سانس لینے کی جگہ نہ رہ جائے اور دستر خوان پر کسی اور کیلئے کچھ نہ بچے۔

حکمت (۳۴)

عورتوں کے مشورے پر چلنا اور فسادیوں پر سخاوت کرنا دونوں نقصان دہ ہے، اس لئے کہ عورتیں ناسمجھ ہوتی ہیں اور فسادی مال کو شر و فساد ہی میں صرف کرتے ہیں؛ تیز دانتوں والے تیندوے پر رحم کرنے کا انجام بکریوں پر ظلم کی صورت میں ظاہر ہو سکتا ہے۔

حکمت (۳۵)

دشمن پر قابو پانے کے باوجود اسے نظر انداز کر دینا اور چھوڑ دینا اپنے آپ سے دشمنی کرنے کے مترادف ہوتا ہے، کیوں کہ کسی کے سامنے سانپ ہو اور اس کے ہاتھ میں پتھر بھی ہو تو سانپ کو مارنے کے بجائے غور و فکر کرنا اور سوچتے ٹھیرنا حماقت نہیں تو اور کیا ہے؟ ہاں! مجرموں کی سزا کے فیصلے میں اچھی طرح غور کر لینا چاہیئے، کیوں کہ بے سوچے سمجھے کسی کو قتل کروا دینے کے بعد کوئی مصلحت فوت ہونے کا احساس ہوا تو اب افسوس کرنے کا کیا فائدہ؟ اس لئے پہلے ہی ہر پہلو سے غور کر کے فیصلہ کرنا چاہیئے۔

حکمت (۳۶)

جو عالم جاہلوں سے لڑتا جھگڑتا ہے اسے اپنی عزت بچا لینے کی توقع نہیں رکھنا چاہیئے؛ اور اگر جاہل بدزبانی اور تکرار کے ذریعہ عالم پر غالب آ جائے تو کوئی تعجب کی بات نہیں، اس لئے کہ ایک بے قیمت پتھر قیمتی پتھر کو توڑ دیتا ہے، اس لئے ایسے وقت تنگ دل نہ ہونا چاہیئے اگر چہ پتھر ہیرے کو توڑ دیتا ہے، مگر اس کے باوجود بھی اس سے پتھر کی قیمت میں اضافہ نہیں ہوتا ہیرے کی قیمت کم نہیں ہوتی، یعنی ہیرا ہیرا ہی رہتا ہے پتھر پتھر؛ اسی طرح جاہل عالم پر غالب آ جائے تو بھی جاہل ہی رہتا ہے عالم نہیں ہو جاتا؛ پس اگر کسی قابل آدمی کا جاہل کے سامنے ناطقہ بند ہو جائے تو تعجب اور غم کی ضرورت نہیں ہے، سب کو معلوم ہے کہ سارنگ کی شیریں آواز ڈھول کے بھونڈے شور میں دب کر رہ جاتی ہے، اور مشک کی خوشبو لہسن کی بدبو کے سامنے بے کار ہو جاتی ہے۔

حکمت (۳۷)

موتی اگر کیچڑ میں گر جائے تو موتی ہی رہتا ہے اور گرد آسمان تک پہونچ جائے تو بھی گرد

ہی رہتی ہے؛ آدمی میں استعداد موجود تو ہو مگر تربیت نہیں ہوئی تو جیسے وہ ضائع ہو جاتی ہے اسی طرح بے استعداد کی تربیت پر محنت کرنا بھی ضائع ہی ہے؛ دیکھو! راکھ آگ سے نسبت رکھتی ہے جس کی شان بلندی ہے مگر خود راکھ میں کوئی کمال نہیں اس لئے خاک ہی کے برابر ہے، بر خلاف اس کے شکر کو دیکھو کہ اس کی نسبت تو ایک لکڑی سے ہے مگر اپنی ذات میں شیرینی اور مٹھاس رکھتی ہے اس لئے اس کی قیمت اور قدر سب کے نزدیک مسلم ہے؛ کنعان بے ایمان رہا تو پیغمبر کی اولاد ہونے کا بھی کوئی فائدہ نہ ہوا، ابراہیم علیہ السلام توحید پرست تھے تو آزر کا بیٹا ہونا ان کے کمال ومقام کو گرا نہ سکا، معلوم ہوا کہ نسبتوں پر فخر کرنے کے بجائے صلاحیتوں کو اجاگر کرنا چاہئے۔

حکمت (۳۸)

جس طرح اصلی مشک کی خوشبو خود ہی پھیلتی ہے، عطر فروش کو کہنا نہیں پڑتا کہ یہ اصلی ہے، اسی طرح علم وعمل والے لوگ گویا مشک کی ڈبیا ہیں کہ خاموشی سے اپنا کمال اور ہنر دکھاتے رہتے ہیں، ان کے برخلاف جہلا کی مثال غازی کے ڈول جیسی ہے کہ وہ شور تو بہت کرتا ہے مگر اندر سے کھوکھلا ہوتا ہے، اسی لئے سچے لوگوں نے کہا ہے کہ جاہلوں کے درمیان عالم کی مثال ایسی ہے جیسے اندھوں میں حسین یا بے دینوں کے درمیان قرآن کریم۔

حکمت (۳۹)

جو کام بھی کرو رضائے الٰہی کے لئے کرو، یہاں تک کہ ترک دنیا اور ترک لذت وشہوت جیسے اعلیٰ کام بھی اگر کسی نے مخلوق کی خوشنودی اور عوام میں مقبولیت کی نیت سے کی تو اس نے گویا حلال اور جائز خواہش کو چھوڑ کر حرام خواہش میں اپنے کو ڈال دیا، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں فی نفسہ حلال ہیں اگر انہیں اختیار کرے تو کوئی گناہ نہیں لیکن ریاکاری حرام خواہش ہے، جو صوفی غیر اللہ کی رضا کے لئے گوشہ نشینی اختیار کرتا ہے وہ بیچارہ محروم ہے۔

حکمت (۴۰)

آدمی کے پاس قوتِ فیصلہ ہو مگر اس کو نافذ کرنے کی طاقت نہ ہو تو اس کے سب منصوبے افسانے بن کے رہ جاتے ہیں، اور اگر قوت واقتدار حاصل ہے مگر عقل ودانائی سے محروم ہے تو اس کے سب کام جنون ودیوانگی کہلانے کے لائق ہوتے ہیں، علم وعمل اور تہذیب وادب کے ساتھ اقتدار بھی ہو تو وہ اقتدار اقتدار کہلانے کے لائق ہے۔

حکمت (۴۱)

دانہ دانہ ڈھیر بن جاتا ہے، قطرہ قطرہ جمع ہو کر نالے ہو جاتے ہیں، جو آدمی فی الحال اپنی کمزوری سے مایوس نہیں ہوتا ہمت وعزم کے سہارے دھیرے دھیرے ہی سہی آگے بڑھتا رہتا ہے، اور ایک دن قوت ودولت کا مالک بھی ہو جاتا ہے۔

حکمت (۴۲)

عالم کے لئے مناسب نہیں ہے کہ بے تہذیب آدمی کی بدتہذیبی کو تحمل کے ذریعہ نظر انداز کردے، کیوں کہ اس سے دونوں کا نقصان ہے، عالم کا رعب گھٹ جاتا ہے اور بدتمیز آدمی کا جہل اور مضبوط ہو جاتا ہے؛ کیوں کہ جاہل آدمی کو اگر ذرا بھی اہمیت دی جاتی ہے تو اس کا جہل اور تکبر مزید بڑھ جاتا ہے۔

حکمت (۴۳)

گناہ کوئی بھی کرے گناہ ہے اور بری بات ہے لیکن اہل علم کا گناہ کرنا بہت زیادہ برا ہے، اس لئے کہ علم شیطان سے مقابلہ کرنے کا ہتھیار ہے؛ مسلح فوجی کو اگر کسی جرم میں گرفتار کیا جاتا ہے تو زیادہ رسوائی اور شرمندگی ہوتی ہے؛ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ جاہل عامی گنہ گار عالم سے بہتر ہے، اس لئے کہ وہ تو اندھا ہونے کی وجہ سے راستے سے بہک گیا اور یہ دو آنکھیں رکھ کر بھی گڑھے میں گرا۔

حکمت (۴۴)

بے نمازی اور خدا تعالیٰ کے نافرمان کو کبھی قرض نہ دینا چاہیئے، اسلیئے کہ وہ نالائق جب اللہ تعالیٰ کا فرض ادا نہیں کر رہا ہے تو مخلوق کا قرض کیا ادا کرے گا، جب حاجت ہوتی ہے تو بڑا پارسا بن کر قرض حاصل کرتا ہے اور جب لوٹانے کا وقت ہوتا ہے تو گالی گلوج اور بدتمیزی پر اتر آتا ہے۔

حکمت (۴۵)

آدمی کو چاہیئے کہ اللہ پاک نے جو کچھ بھی دیا ہے اس میں سے دوسروں پر بھی خرچ کرے، جس شخص سے زندگی میں کسی نے فائدہ نہیں اٹھایا تو مرنے کے بعد کوئی اس کا نام لینے والا بھی نہیں ہوتا؛ حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں منقول ہے کہ خشک سالی اور قحط کا زمانہ آیا تو پیٹ بھر کھانا نہیں کھا پاتے تھے، کیوں کہ انہیں مجبوروں اور بھوکوں کا خیال آجاتا تھا؛ تنگی و خشکی کے زمانے میں کسی غریب کا حال اس وقت تک نہیں پوچھنا چاہیئے جب تک کہ اس کی تسلی کے ساتھ ساتھ اس کی حاجت برآری کا کچھ سامان نہ کر سکیں۔

حکمت (۴۶)

دو چیزیں عقل کے خلاف ہیں، ایک تقدیر سے زیادہ کھا سکنا دوسرے وقت سے قبل موت آنا؛ اس لیئے روزی کے طالب کو زیادہ تگ و دو کرنے اور حسرت کھانے کے بجائے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کر کے مطمئن رہنا چاہیئے؛ اسی طرح موت سے ڈرنے اور بچنے والے کو معلوم ہونا چاہیئے کہ وہ وقت آنے سے قبل مر نہیں سکتا اور وقت آنے پر اپنے کو کسی بھی تدبیر کے ذریعہ موت سے بچا نہیں سکتا، اس لیئے ہمیشہ اس کے لیئے تیار رہنا چاہیئے۔

حکمت (۴۷)

گنہ گار مالدار سونا چڑھائے ہوئے مٹی کے ڈھیلے کی طرح ہے، نیکوکار محتاج گرد میں اٹے ہوئے حسین کے مانند ہے، لیکن نیکوں کی مصیبت کشائش کی منتظر ہوتی ہے اور بروں کی دولت ذلت کا سبب ہوتی ہے۔

حکمت (۴۸)

اللہ تعالیٰ نے اگر کسی کو کوئی نعمت دی ہے تو اس سے حسد نہیں کرنا چاہئے، حاسد اللہ تعالیٰ کے فیصلے سے ناراض ہو کر اپنی عاقبت برباد کرتا ہے اور بلاوجہ کسی بندے سے دشمنی کر بیٹھتا ہے؛ میں نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ ایک بڑے مرتبے والے کی برائی کر رہا تھا، میں نے کہا: اگر تم بدنصیب ہو تو اس میں اس خوش نصیب کا کیا قصور ہے؟ جو تم اس کے پیچھے پڑے ہوئے ہو، میں تو کہتا ہوں کہ حاسد کے لئے بددعا کرنے کی بھی ضرورت نہیں اس لئے کہ وہ خود حسد کی مصیبت میں مبتلا ہو کر تباہ و برباد ہو جاتا ہے۔

حکمت (۴۹)

بےشوق طالب علم کی مثال بے مال عاشق کی سی ہے کہ وہ اپنے مقصد میں نامراد و ناکام رہتا ہے؛ بے معرفت سالک کی مثال بے پر پرندے کی سی ہے کہ ہزار کوشش کرنے کے باوجود پرواز نہیں کر سکتا، بےعمل عالم کی مثال بے پھل کے درخت کی سی ہے کہ اگرچہ سایہ اور ہوا دیتا ہے مگر میوہ نہیں دیتا؛ اسی لئے لوگ ایسے عالم کی طرف نہ مائل ہوتے ہیں نہ نفع اٹھاتے ہیں، اور بےعلم صوفی کی مثال بغیر دروازے والے مکان کی سی ہے کہ اس کا مال محفوظ نہیں رہتا، اسی طرح صوفی کتنی ہی عبادت کرے علم نہ ہونے کے وجہ سے اس کی حفاظت نہیں کر پاتا، کسی وقت بھی نفس و شیطان اس کی سب کمائی لوٹ لیتے ہیں۔

حکمت (۵۰)

یادرکھو! قرآن مجید کے نزول کا مقصد اخلاق واعمال کی درستگی ہے صرف حروف رٹ لینا نہیں ہے، ایک عام آدمی جو متقی وفرمانبردار ہو وہ بےعمل حافظ وعالم سے بہتر ہے اور ایک گنہ گار جو توبہ وندامت میں مشغول ہے مغرور عبادت گذار سے بہتر ہے۔

حکمت (۵۱)

محتاجوں کی دوستی سے دور رہنا چاہیے، دو آدمیوں کی حسرت کبھی ختم نہیں ہوسکتی، ایک وہ تاجر جس کے سامان کی کشتی غرقاب ہوگئی ہو، دوسرے وہ مالدار جس کی اولاد محتاجوں کے ماحول میں رہنے لگی ہو، محتاج لوگ اگر تمہارے پاس مال نہیں دیکھیں گے تو تمہارا خون بھی حلال سمجھیں گے، اسی لئے کہتے ہیں کہ یا تو ہاتھی والے سے دوستی نہ کرو یا پھر اپنا گھر ہاتھی کے رکھ سکنے کے حساب سے تیار کرو۔

حکمت (۵۲)

خودداری اور شخصی وقار کی کوئی بھی قیمت نہیں ہوسکتی؛ آدمی کو چاہئے کہ دوسرے کے احسان کی ذلت سے جس قدر ممکن ہو بچتا رہے، کہنے والوں نے صحیح کہا ہے کہ بادشاہ کے عطا کردہ کپڑوں سے ـــــ خواہ وہ کتنے ہی قیمتی کیوں نہ ہوں ـــــ اپنے پیوند لگے کپڑے زیادہ باعزت ہوتے ہیں، مالداروں کے دسترخوان کا بچا ہوا کتنا بھی مزیدار ہو اپنے گھر کی روٹی سے زیادہ لذیذ نہیں ہوسکتا۔

حکمت (۵۳)

خلاف احتیاط کاموں سے بچنے میں عافیت وسلامتی ہے؛ عقل مندوں نے کہا ہے کہ محض تخمینے واندازے پر یا محض کسی کے کہہ دینے سے کوئی دوا استعمال کرنا، اسی طرح جو راستہ

معلوم نہ ہواس پر کسی رہبر کے بغیر چل پڑنا ہلاکت کا سبب ہے؛ امام غزالیؒ سے کسی نے پوچھا کہ علم وفضل کے اتنے بلند مقام تک آپ کیسے پہونچ گئے؟ فرمایا: جو بات مجھے معلوم نہ تھی اسے دوسروں سے معلوم کر لینے میں کبھی نہیں شرمایا۔

حکمت (۵۴)

جس بات کے از خود معلوم ہو جانے کا یقین ہو اس کو معلوم کرنے میں اپنی طرف سے جلدی نہ کرنا چاہئے ؛حکیم لقمان علیہ السلام نے حضرت داود علیہ السلام کو دیکھا کہ ان کے ہاتھ میں لوہا موم بن گیا جس سے وہ کچھ تیار کر رہے ہیں تو یہ نہیں پوچھا کہ آپ کیا بنا رہے ہیں؟ اس لئے کہ جب بن جائے گا خود ہی معلوم ہو جائے گا، اگر پوچھتے تو ہو سکتا ہے ایسا جواب ملتا جس سے سوال تو حل نہ ہوتا اُلٹا اُن کی ذلت ہو جاتی۔

حکمت (۵۵)

جو شخص برے لوگوں میں اٹھتا بیٹھتا ہے وہ ان کی بری عادتیں خواہ سیکھے یا نہ سیکھے برائی کی تہمت اس پر تو لگ ہی جاتی ہے؛ اگر کوئی آدمی نماز پڑھنے کے لئے شراب خانے میں داخل ہوا تو اگر چہ وہ نماز پڑھنے گیا مگر مشہور یہی ہو گا کہ شراب پینے کے لئے گیا ہے؛ میں نے ایک بزرگ سے نصیحت طلب کی تو انہوں نے فرمایا: جاہلوں کی دوستی سے بچو اس لئے کہ ان کی دوستی کا نتیجہ یہ ہو گا کہ اگر تم عقل مند ہو تو بے وقوف ہو جاؤ گے اور اگر بے وقوف ہو تو مزید بے وقوفی بڑھے گی، فائدہ کچھ نہ ہو گا۔

حکمت (۵۶)

دوسروں کی بھلائی کی خاطر اپنا نقصان کر لینا عقل مندی کی بات نہیں ہے؛ اونٹ کو دیکھو کتنا مضبوط اور طاقتور جانور ہے اس کے باوجود مالک کے چھوٹے سے بچے کے ساتھ

عاجزانہ چال کے ساتھ چل پڑتا ہے، لیکن اگر وہ بچہ کسی ایسی جگہ لے جانا چاہے جہاں نقصان کا اندیشہ ہے تو پھر وہ بچے کے ہاتھ سے نکیل چھڑا کر دوسری جانب نکل جاتا ہے، قابو میں نہیں آتا؛ اسی طرح تمہیں چاہئے کہ کوئی بھلا کرتا ہے تو تم بھی اس کے ساتھ بھلے ہو جاؤ اور اگر نقصان پہونچانے کی کوشش کرے تو فوراً اس کی دوستی ترک کر کے علاحدہ ہو جاؤ کہ عافیت اسی میں ہے۔

حکمت (۵۷)

کسی سے ایسی بات مت پوچھو جس کا ظاہر کرنا اس کے لئے تکلیف دہ یا شرمندگی کا باعث ہو؛ ایک دفعہ میرے جسم میں کوئی زخم ہو گیا تھا تو میرے شیخ رحمۃ اللہ علیہ ہر روز پوچھتے تھے کہ تکلیف کیسی ہے؟ زخم کا کیا حال ہے؟ مگر کبھی یہ نہ پوچھا کہ زخم کہاں ہے؟ کیوں کہ بعض اعضاء جسمانی ایسے ہیں کہ ان کا ذکر شرمندگی کا سبب ہوتا ہے۔

حکمت (۵۸)

جھوٹ بولنا سخت چوٹ کے مانند ہے کہ زخم سوکھ جاتا ہے مگر نشان باقی رہ جاتا ہے؛ اسی طرح جس شخص سے بار بار جھوٹ کا تجربہ ہوتا ہے پھر اس کی بات کا اعتبار نہیں ہوتا خواہ سچ ہی کیوں نہ کہہ رہا ہو؛ دیکھو حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے ایک دفعہ ان کے سلسلے میں جھوٹ گھڑا اور والد کو غلط باور کرانے کی کوشش کی تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے خاموشی اختیار کر لی، دوسری مرتبہ ان کے بھائی بنیامین کے بارے میں سچ کہا مگر حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا: بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ أَنْفُسُكُمْ أَمْرًا یعنی تم اپنی طرف سے باتیں بنا رہے ہو۔

حکمت (۵۹)

تمام مخلوقات میں سب سے اشرف انسان ہے اور سب سے ذلیل کُتا ہے، لیکن اس پر بھی عقل مندوں کا اجماع ہے کہ حق شناس کتا ناسپاس انسان سے بہتر ہے، کتے کو اگر ایک

مرتبہ ہڈی ڈالدو تو عمر بھر چوکی داری کرتا رہتا ہے، اور کمینے آدمی پر عمر بھر احسان کرتے رہو تب بھی کسی نہ کسی بات میں جھگڑا کر بیٹھتا ہے۔

حکمت (٦٠)

کسی دانا آدمی سے پوچھا گیا کہ درخت تو اللہ نے ایک سے ایک اونچے بنائے ہیں، بہت سے ان میں سے بارآور یعنی پھل دینے والے بھی ہوتے ہیں، خوبصورت بھی ہوتے ہیں، لیکن اس کی کیا وجہ ہے کہ ان سب درختوں میں سے صرف سرو کے درخت کو آزاد اور مست قرار دیا جاتا ہے جب کہ وہ پھل بھی نہیں دیتا، آخر اس کی اتنی تعریف کیوں ہوتی ہے؟ فرمایا: ہر درخت کی شادابی کا ایک موسم ہوتا ہے، اسی میں وہ پھلتے پھولتے ہیں، پھر کسی دوسرے موسم میں خزاں زدہ ہوکر سوکھ جاتے ہیں، برخلاف سرو کے درخت کے کہ وہ سال بھر ہرا بھرا اور مست و مگن رہتا ہے، نہ بہار سے متاثر ہوتا ہے نہ خزاں سے، یہ چونکہ آزاد مزاج وخدا مست لوگوں کی کیفیت ہے اس لئے اس کو بھی آزاد کہا جاتا ہے؛ پس اگر تم سے ہوسکے تو کھجور کے درخت کی طرح فیاض اور سخی بن جاؤ، نہ ہوسکے تو سرو کے درخت کی طرح دوسروں سے بے نیاز اور مست قلندر بن جاؤ۔

حکمت (٦١)

جوانی اور قدرت کے زمانے میں گناہوں سے بچنا کمال کی بات ہے اور مقبولیت کا مقام رکھتا ہے اس لئے کہ جبقُویٰ مضمحل ہوجائیں اور گناہ کرنے کی سکت ہی نہ رہے تو اس وقت اگر آدمی توبہ کرنے لگے تو کیا کمال کی بات ہے؟ جس کی شہوت بجھ گئی وہ بدکاری کرنا بھی چاہے تو نہیں کرسکتا، جس کو کوتوالی سے معزول کردیا گیا وہ لوگوں پر زیادتی کرنا چاہے بھی تو نہیں کرسکتا۔

حکمت (۶۲)

سب کے منہ میں کھٹائی سے پانی آتا ہے تو جج کے منہ میں مٹھائی سے پانی آتا ہے؛ رشوت بہت بری بلا ہے، رشوت لینے والا حق و انصاف کی تمیز کھو بیٹھتا ہے، اس لئے ہر شخص کو بالخصوص منصف اور جج لوگوں کو رشوت سے بہت دور رہنا چاہئے، کہتے ہیں کہ پانچ کھیرے رشوت میں لے لینا والا قاضی رشوت دینے والے کے لئے سو خربوزے ناحق ثابت کر دیتا ہے۔

حکمت (۶۳)

بادشاہوں اور حاکموں کو سچی بات بتانے کی جرأت وہی کر سکتا ہے جس کو نہ اپنی جان کا خوف ہو اور نہ مال و دولت کی حرص، موحد کی شان یہی ہوتی ہے کہ چاہے اس کے سر پر تلوار لٹک رہی ہو، چاہے اس کے قدموں میں دولت نچھاور ہو رہی ہو وہ حق کے علاوہ کچھ نہیں کہہ پاتا۔

حکمت (۶۴ تا ۷۲)

مختلف تجربے کی باتیں:

۞ عقل مند آدمی جھگڑے کے وقت بچ کر نکل جاتا ہے اور صلح کا موقعہ ہو تو ٹھہر جاتا ہے۔

۞ جو شخص کمزوروں پر رحم نہیں کرتا وہ طاقتوروں کا ظلم سہنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

۞ سونا اپنی کان سے تو کھودنے سے نکل جاتا ہے مگر بخیل کے پاس سے جان لئے بغیر نہیں نکلتا۔

۞ حق تعالیٰ تو گناہ دیکھ کر بھی چشم پوشی فرماتا ہے مگر پڑوسی دیکھے بغیر ہی بدنام کرنے لگتا ہے۔

۞ آسمان سے زمین کوتو بارش کی نعمت ملتی ہے مگر زمین سے آسمان کو صرف گردوغبار ملتا ہے۔

۞ سعادت مند لوگ پہلے لوگوں کے واقعات سے عبرت حاصل کرتے ہیں اور بدنصیب لوگ اپنے کو دوسروں کے لئے عبرت بنا ڈالتے ہیں۔

۞ جو شخص دنیا کے مصائب سے سبق نہیں سیکھتا وہ آخرت کے عذاب میں گرفتار ہو جاتا ہے۔

۞ نفس پرست کو ہنرمندی نہیں آتی اور جو ہنرمند نہیں ہوتا وہ بلند مرتبوں تک نہیں پہونچتا۔

۞ جو شخص مخلوق کو خوش کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کو ناراض کر دیتا ہے، اللہ تعالیٰ اس مخلوق کو اس پر مسلط فرما دیتا ہے۔

تمت بالخیر

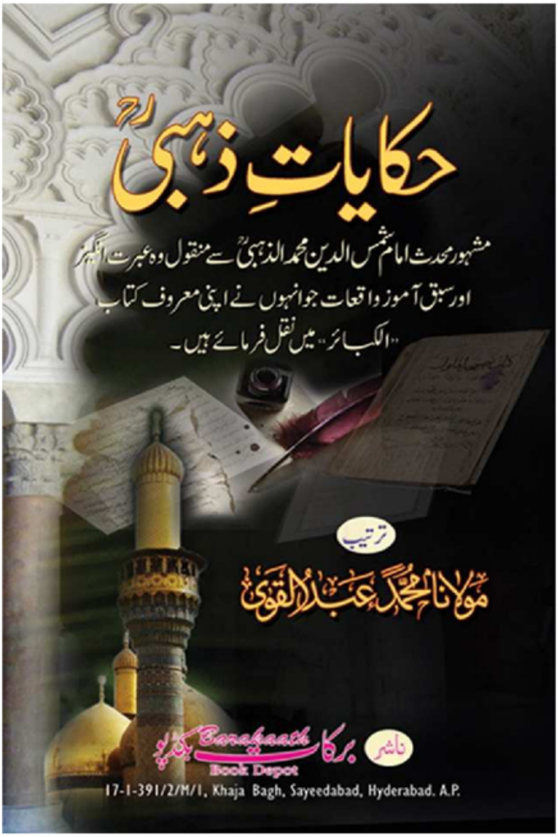

صفحات: ۳۲ قیمت: -/20

مشہور محدث امام شمس الدین محمد ذہبی رحمہ اللہ نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب ''الکبائر'' جس میں کبیرہ گناہوں کی مذمت میں واردشدہ آیات واحادیث کو جمع فرمایا ہے، کچھ میں عبرت آموز ونصیحت خیز واقعات بھی نقل فرمائے ہیں۔ یہ کتاب انہیں حکایات پر مشتمل ہے جو گھروں میں اہل وعیال کی تربیت اور نصیحت وموعظت کے لئے بہت مفید ہے۔